سلسلۂ مشاہیر اسلام
نمبر ۲

ابوبکر شبلی

یعنی

حضرت شیخ ابوبکر دُلف بن جحدر شبلی رحمہ اللہ کے سوانح عمری
آپکا تصوف اور آپکے اخلاق۔ عادات۔ جذبات تعلیمات اور اقران و تلامذہ

مؤلفہ
مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر مؤلف تاریخ سندھ و تاریخ
ارض مقدس و جنید بغدادی و مصنف ناولہائے ملک العزیز ورجنا
ایام عرب۔ فتح اندلس و فردوس برین وغیرہ وغیرہ

سنہ ۱۹۰۶ء مین
دلگداز پریس لکھنؤ مین چھپکے شائع ہوئی

مربیان سلسلۂ مشاہیر اسلام

ع خدا خود میر سامان است اسباب توکل را۔ ہمین امید نہ تھی کہ ملک و قوم سے اِس
کتابون کی ایسی قدر دانی ہوگی جیسی کہ ظاہر ہوئی۔ سب سے پہلے عالیجناب راجہ نوشاد علی خان بہادر
پچاس جلدون کی خریداری فرما کے حوصلہ افزائی کی اور حضرات کی دستگیری سے ہم نے اِس اہم کام کو شروع کر
سے معلوم ہوا کہ اگر محنت و قابلیت سے کام لیا جاے تو ملک و قوم سے ضرور مدد ملتی ہے چنانچہ موجودہ فہرست ہمارے مربیونکی

(۱) عالیجناب یمین السلطنت سر مہاراجہ مدار المہام بہادر وزیر دولت آصفیہ دکن دام اقبالہ۔ ۱۰۰
(۲) عالیجناب نواب سلطان الملک بہادر دام اقبالہ۔ حیدر آباد دکن۔ ۱۰۰ جلد
(۳) عالیجناب راجہ نوشاد علی خان بہادر دام اقبالہ۔ تعلقدار میلا رائے پور (اودھ) ۵۰ جلد
(۴) عالیجناب نواب ابو نصر سید علی حسن خان بہادر فرزند نواب صدیق حسن خان مرحوم رئیس بھوپال
(۵) عالیجناب راجہ اعجاز رسول خان صاحب رئیس جہانگیر آباد۔
(۶) مولانا مولوی محمد عبد الغنی صاحب عظیم آبادی وارثی۔ (حیدر آباد دکن) ۱۰

چند حضرات اِس سے کم جلدین خرید فرماتے ہین اُن کے نامون کو ہم نے اب کی مرتبہ چھوڑ دیا
اُن کے معزز نام آیندہ اِسی سلسلے کی کسی جلد کے ساتھ شائع کر دیے جائین گے۔

ابھی ہمین چند اور ایسے مربیونکی ضرورت ہے جو اِس سلسلے کی کتابون کی متعدد جلدین خرید فرما کے اُن لوگون مین تقسیم فرما دین جو قیمت دے کے لینے کی استطاعت نہین رکھتے۔ اسمین شک نہین ملک و قوم کے لیے نہایت مفید بلکہ ضروری ہے اِسی ترتیب سے اگر دو تین نہین لاکھون شائع ہو جائین گی تو عام لوگون سے بہت اچھی اور سچی واقفیت ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مختلف گروہون مین جو باہمی نفرت ہین کم ہو جائیگی مثلاً علمائے ظاہر کا گروہ صوفیہ کو۔ اور صوفیہ کی ایک جماعت علما کو برا کہتی ہے۔ یہی مختلف مذاہب کے پیرون کا ہے۔ اور اس کا کوئی لحاظ نہین کرتا کہ بزرگان و مشاہیر سلف مین سے ہر شخص با کمال مگر ان کے کمالات ہمین اُسی وقت نظر آسکتے ہین جب ہم انھین اُن کے محل پر اور انھین کے طبقہ مین رکھ کے دیکھین اِس سلسلے کے ذریعے سے ہم انشاء اللہ ہر گروہ کے لوگون کو دکھائینگے۔ اور اِس شان سے کہ اُن کے مخصوص کمالات پر لوگون کی نظر

الملتمس۔ محمد فاروق منیجر دلگداز۔

ڈیڈیکیشن

یون تو دولت آصفیہ حیدرآباد دکن سے ہر فن اور ہر مفید کوشش کو مدد ملتی ہے مگر عالیجناب یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد پیشکار و مدار المہام سرکار عالی دام اقبالہ کو جو خاص دلچسپی فن تصوف سے اور جیسی عقیدت بزرگان صوفیہ سے ہے اُسکے لحاظ سے مین اپنا فرض تصور کرکے اس کتاب کو بہ کمال ادب جناب محتشم الیہ کے نام نامی سے معنون کرتا ہون۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

خاکسار۔ محمد عبدالحلیم شرر

التماس

سلسلۂ مشاہیر اسلام کا یہ دوسرا نمبر قدردانون کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس مین حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ کے حالات درج ہین۔ اور امید ہے کہ یہ نمبر پہلے سے زیادہ مکمل ثابت ہوگا۔

ناظرین کو بادی النظر مین صرف چھپوانے کی دشواریان نظر آتی ہین۔ اس بات کا اندازہ نہین ہوسکتا کہ ہر لائف کے مرتب کرنے مین کس قدر ورق گردانی اور دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے۔ پھر اس پر جب کتابون کے تلاش کرنے اور بہم پہونچانے کی زحمت بھی اضافہ ہوجاتی ہے تو مصنف کے سر ناقابل برداشت بوجھ پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ہمین ناشکری نہ کرنی چاہیے۔ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی۔ نواب سید علی حسن خان صاحب بہادر۔ اور مولانا محمد عبد الباری صاحب فرنگی محلی۔ نے کتابون کے مرحمت فرماتے مین نہایت فیاضی سے کام لیا ہے۔ لیکن پورا فائدہ اُسی وقت اُٹھایا جاسکتا ہے جب کتاب اپنے کتب خانے مین ہو۔ اور جب ہمیشہ فرصت کے وقت فراغت و اطمینان سے اُس پر نظر ڈالی جاسکے۔ الغرض اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے ترتیب و تدوین کی محنت اور چھپوانے کے مصارف کے علاوہ خرید کتب کا بھی ایک بہت بڑا بار مصنف کے سر ہے۔ اور وہ اسی طرح اُٹھایا جاسکتا ہے کہ قدردان اس سلسلے کی اشاعت مین جان و دل اور سچے شوق سے کوشش فرمائین۔

سب سے زیادہ قابل شکریہ وہ فیاض رؤسا و بزرگان قوم ہین جنھون نے

بہت سی جلدون کی خریداری محض اعانت کے لیے قبول فرمائی۔

جن حضرات نے تیار ہوتے ہی ایک جلد وی۔پی بھیج دینے کی عام اجازت عطا فرمائی ہے۔اُن کا شمار دو سو سے کسی قدر زیادہ ہے۔غالبًا اِس سلسلے کے آئندہ نمبر کے ساتھ ہم اُن بزرگون کے اسمائے گرامی کو بھی شائع کر سکین گے۔

فی الحال ہم بزرگ قوم شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین رُدولی شریف کے اصرار و شوق سے حضرت امام المتکلمین شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کے حالات مرتب کر رہے ہین۔جو امید ہے کہ جلد شائع ہو سکین گے۔اگرچہ اِس لائف مین بعض دقیق مسائل چھیڑنا ہون گے۔کیونکہ علم و صفات باری۔دیدار الٰہی۔جبر و قدر کے ایسے نازک مباحث چھیڑنا پڑین گے۔مگر لوگون کو سمجھا کے وضاحت سے بتا دیا جائے گا کہ اہل سنت کے کیا عقائد ہین۔لہذا یقین ہے کہ یہ نہایت مفید اور ضروری کتاب ہو گی۔

اِس مرتبہ ہم سخت مصائب و آلام اور ناقابل برداشت صدمات و افکار مین مبتلا ہو گئے تھے جن کے باعث اِس دوسرے نمبر کی اشاعت مین بہت دیر ہو گئی۔

خاکسار۔ محمد عبد الحلیم شرر۔ ایڈیٹر دلگداز

لکھنؤ۔ ۱۶۔اکتوبر ۱۹۰۸ء

ماخذ

اس کتاب میں جن کتب سے مضامین لیے گئے ہیں اُن کے صفحات بھی بتا دیے گئے ہیں اس لیے اس بات کے بتا دینے کی بھی ضرورت ہو کہ وہ کتابیں کیسی کس زمانے کی اور کس کی تصنیف ہیں۔ اور کس مطبع کی چھپی ہوئی ہیں۔ لہذا اُن کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہو

رسالۂ قشیریہ مصنفۂ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری المتوفی ۴۶۵ھ مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۸۴ھ

طبقات الکبریٰ مصنفۂ علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الانصاری۔ سال تصنیف ۹۵۲ھ مطبوعہ میریہ بولاق مصر ۱۲۷۶ھ۔

مرآۃ الجنان مصنفۂ امام عفیف الدین ابی محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی الیمنی نزیل الحرمین الشریفین قریب زمانہ ۷۵۰ھ قلمی نسخہ کتب خانۂ مولانا محمد عبدالباری صاحب فرنگی محلی۔

روض الریاحین فی حکایات الصالحین مولفۂ علامہ یافعی ممدوح سال تصنیف ۷۵۰ھ مطبوعہ مطبع کاستلیہ مصر ۱۲۹۷ھ۔

وفیات الاعیان۔ تالیف قاضی ابن خلکان مرتبہ ۶۵۴ھ مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۹۹ھ۔

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مصنفۂ امام تاج الدین ابی نصر عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ مطبوعہ مطبع حسینیہ مصر

تلبیس ابلیس مصنفۂ ابوالفرج عبدالرحمن بن ابی الحسن جوزی بغدادی فقیہ حنبلی الملقب بہ جمال الدین واعظ المتوفی ۵۹۷ھ یہ نسخہ قلمی ہو جو عالیجناب نواب سید علی حسن خان صاحب بہادر کے کتب خانے سے دستیاب ہوا۔ مگر چونکہ اس میں صفحات کا شمار ہی نہیں قائم کیا گیا ہے۔ لہذا ہم بھی صفحوں کا شمار بتانے سے معذور تھے۔

تاریخ الکامل مصنفۂ امام جمال الدین ابوالحسن علی بن اثیر۔ معروف بہ ابن اثیر جزری

المتوفی سنہ ۶۳۲ھ مطبوعہ مطبع ذات التحریر مصر سنہ ۱۳۰۲ھ۔

کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر مشہور بہ تاریخ ابن خلدون۔ علامہ عبدالرحمن بن خلدون مغربی مصنفہ سنہ ۸۰۸ھ و مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۴ھ۔

عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی المتوفی سنہ ۶۳۲ھ مگر ہمین اصل کتاب نہین مل سکی لہذا محمود بن علی کاشانی کے ترجمہ فارسی مطبوعہ نولکشور پریس سنہ ۱۹۰۸ء سے فائدہ اُٹھایا گیا۔

تذکرۃ الاولیا مصنفہ شیخ فریدالدین عطارؒ۔ پہلے یہ کتاب میرے پاس نہ تھی لہذا ابتداءً اُس کے اُردو ترجمہ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ سے لیا گیا۔ اور بعد جب اصل نسخہ مجتبائی پریس دہلی مطبوعہ سنہ ۱۳۱۲ھ دستیاب ہوا تو اُس سے فائدہ اُٹھایا گیا۔ بعض جگہ اردو ترجمہ کے صفحات بتائے گئے ہین اور بعض جگہ اصل فارسی کے جن مین امتیاز بغیر دیکھے نہین کیا جا سکتا۔

تذکرہ امیر دولت شاہ بن علاء الدولہ بختی شاہ غازی سمرقندی مصنفہ سنہ ۸۹۲ھ مطبوعہ لیڈن (ہالنڈ) سنہ ۱۹۰۱ء۔

نفحات الانس من حضرات القدس مصنفہ مولانا عبدالرحمن جامی مصنفہ سنہ ۸۸۳ھ مطبوعہ نولکشور پریس سنہ ۱۹۱۵ء۔

بوستان شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی مطبوعہ نولکشور پریس سنہ ۱۸۹۵ء

لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ از عہد اولین تا عہد فردوسی مصنفہ ایڈورڈ براؤن۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ بی۔ مطبوعہ لندن۔ (انگلستان)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

این طائفہ اند اہل تحقیق   باقی ہمہ خویشتن پرستند
فانی ز خود و بدوست باقی   این طرفہ کہ نیستند و ہستند

تمہید

ہجرت نبوی صلعم کی تیسری صدی کے ربع اخیر مین ایک دن کا واقعہ ہے کہ دارالسلام بغداد دولہن بنا ہوا ہے۔ عباسی خلیفہ امیرالمومنین المعتضد باللہ کے کسی جشن کی تیاریان ہو رہی ہین عیش و عشرت کی چہلین ہین۔ اور شان و شوکت کے کرشمے نظر آرہے ہین۔ تمام ایلیانِ ملک شاہی جشن مین شریک ہونے اور نذرین پیش کرنے کے لیے طلب کیے گئے ہین جو حاضر دربار خلافت ہو کے آداب بجا لائے ہین۔ اور گران بہا خلعتون سے سرفراز ہو کے عباسی سریر شہریاری کے سامنے مودّب کھڑے ہوئے ہین۔

اتنے مین اتفاقاً کسی بدنصیب والی ملک کو چھینک آگئی۔ اور ناک سے کچھ رطوبت

نکل پڑی۔ رومال اِس وقت موجود نہ تھا۔ گھبرا کے اُسی خلعت کے دامن سے جو ابھی ابھی مرحمت ہوا تھا ناک پاک کرلی۔ شامت اعمال سے یہ بدتمیزی کی حرکت خلیفہ نے دیکھ لی۔ فوراً عتاب ہوا حسب فرمانِ خلافت وہ گران بہا خلعت چھین لیا گیا۔ گورنری کی خدمت سے بھی معزول ہوا۔ اور بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکالا گیا۔

خلیفہ کے اِس عتاب اور برہمی کو دیکھ کے کُل حاضرین دربار کانپ گئے۔ اور خائف تھے کہ کہین ہم سے بھی کوئی بدتمیزی کی حرکت نہ صادر ہو جائے۔ سارے دربار پر سناٹا طاری تھا۔ اور سب سہمے ہوئے اپنے اپنے انجام پر غور کر رہے تھے۔ مگر انھین مین ایک صاحب دِل پاک طینت اور خدا ترس رئیس زادہ بھی تھا جو نہاوندکی ولایت پر سرفراز تھا۔ اِس عتاب شہنشاہی نے اُس کے دل مین بجاے دُنیوی انجام کے ایک دوسری فکر پیدا کر دی۔ یعنی نُورِ ہدایت نے اِس خیال کی طرف مائل کیا کہ "ایک دُنیوی بادشاہ کے خلعت کی بے وقعتی کرنے کی تو یہ سزا ہے۔ لیکن وہ شخص جو سارے عالم کے خالق (اللہ جل شانہ) کے خلعت (یعنی خلعت زندگی) کی بے وقعتی کرے اور اُسے ناپاک کر دے اُسکی کیا سزا ہوگی؟" یہ خیال آنا تھا کہ دل دنیاوی دولت وحشمت اور اِس چند روزہ جاہ وجلال کی طرف سے کھٹّا ہو گیا۔ فوراً استعفا لکھ کے بارگاہ خلافت مین پیش کر دیا۔ نہاوند کی حکومت کو آگ لگائی۔ ملازمت سے آزادی حاصل کی۔ اور کسی ایسے پاک باطن شیخ زمانہ کی تلاش مین چل کھڑا ہوا جس کے ہاتھ پر توبہ کرے۔ اور جس کی تعلیم وتلقین سے یقین وعرفان کی بارگاہ ازلی مین رسوخ حاصل کرے۔

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۸۰

یہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے نعرۂ مستانہ کی صدا آج تک میدان معرفت میں گونج رہی ہے جن کا ذوق و شوق قیامت تک سرمستانِ بادۂ وحدت کے دلوں میں عشق کی گرمجوشی پیدا کرتا رہے گا جن کے نقش قدم کو منزل حقیقت کے رہ نورد دیکھتے ہوئے چلتے ہیں۔ اور جن کے مبارک حالات سے ہم ان چند اوراق کو برکت دینا چاہتے ہیں۔

ولادت۔ خاندان اور تعلیم

آپ کا پورا نام اور لقب ابوبکر دُلف بن جحدر شبلی ہے[۱] بعض مورخین جعفر بن یونس نام بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہی نام آپ کے سنگ تربت پر کندہ تھا[۲]۔ بعض اہل روایت کے نزدیک آپ کے پدر بزرگوار کا نام بجائے "جحدر" کے "جعفر" تھا[۳]۔ جو ہمارے خیال میں صرف اگلے رسم خط کے مشتبہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ آپ کا لقب "شبلی" "شبلہ" نام ایک گاؤں سے نکلا ہے جو آپ کے خاندان کا اصلی جنم تھا۔ یہ قریہ شہر اسروشنہ کے مضافات میں تھا۔ اور اسروشنہ ماوراء النہر میں سمرقند سے آگے بڑھ کے ایک بڑا شہر تھا۔ یہ ترکستانی علاقہ جو فرغانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اُن دنوں والی خراسان کے حلقۂ اقتدارات میں تھا۔ اور اسی وجہ سے عام مورخین آپ کو خراسانی الاصل بتاتے ہیں۔ ورنہ سچ پوچھیے تو آپ ترکی الاصل تھے۔ مگر طرہ یہ کہ سب کے خلاف ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا خاندان مصر سے آیا تھا۔

غیر یہ خوش اقبال خاندان چاہے جہاں کا ہو۔ آپ کی ولادت سے پیشتر ہی دارالسلام

[۱] ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔ [۲] نفحات الانس صفحہ ۱۷۴۔ [۳] ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔

بغداد میں آ کے آباد ہو گیا تھا۔ اور قریب قریب تمام اہل سیر کو اتفاق ہے کہ آپ نے بغداد میں نشو و نما پایا۔ اور وہیں آپ کی ولادت بھی ہوئی لیکن طبقات سلمی میں ہے کہ آپ سامرہ میں پیدا ہوئے[1]۔

گو یہ روایت سب کے خلاف اور بہ اصطلاح محدثین غریب ہے لیکن قیاس یہی چاہتا ہے کہ آپ سامرہ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار خلیفۂ زمانہ کے دربار میں حاجب الحجاب یعنی عرض بیگی کی معزز خدمت پر مامور تھے۔ اور سنہ وفات اور عمر کا حساب لگانے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی جس سال کہ متوکل باللہ عباسی جو پندرہ سال سے مسند نشین خلافت تھا اپنے بیٹے المنتصر کی سازش کے نتیجے میں خاص اپنے ترکی غلاموں کے ہاتھ سے کمال بے رحمی کے ساتھ سامرہ میں مارا گیا[2]۔ اُن دنوں چونکہ دربار خلافت عباسی کا مرکز و مستقر بجائے بغداد کے سامرہ تھا لہذا ضرور ہے کہ آپ کے والد ماجد بھی اپنے فرائض منصبی بجا لانے کے لیے سامرہ ہی میں قیام رکھتے ہوں۔

متوکل باللہ کو بنی فاطمہ سے سخت عداوت تھی۔ یہاں تک کہ ۲۳۶ھ میں اُس نے حکم جاری کر دیا کہ کربلا سے معلّٰی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت پاک اور اُس کے گرد و پیش کے مکانات کھود کے برابر کر دیے جائیں۔ اور اُن کی زمین پر ہل چلا دیا جائے۔ اُس کے دربار میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کی تضحیک و توہین کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی صحبت میں ایک دن ایک مخنث کو پیٹ پر تکیہ باندھ کے حضرت علی کی نقل اور ناپاک تمسخر کرتے دیکھ کے اُس کے بیٹے المنتصر سے بھی نہ رہا گیا۔ اور بے ساختہ کہا "امیر المومنین علی آپ کے ابن عم اور آپ کے گھرانے کے بزرگ اور آپ کے لیے[3]

---

[1] نفحات الانس ص ۱۶۴-۱۶۵ ابن خلکان - جلد اول ۲۲۵، [2] ابن اثیر - جلد ۷ - ۲۹ - ۳۱ -

سرمایۂ ناز تھے۔ اگر آپ اُن کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہین تو خیر مگر اِس کتے (مخنث) کو تو نہ کھا سکیے۔ اِس آزادی کا اُس صحبت مین تو کچھ نتیجہ نہین ہوا۔ مگر اسی کا اثر تھا کہ ایک طرف تو المتوکل کے دل مین بیٹے کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف بیٹا (المنتصر) اُس کے قتل کے لیے سازشین کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی ولادت کے ساتھ ہی ایک ایسے ظالم بدتہذیب اور بدحمیت بادشاہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کو ہم اِس امر کا ایک قدرتی اشارہ خیال کرتے ہین کہ آپ کی ذات بابرکات سے دین اسلام کو بڑے دینی اور روحانی فائدے پہونچنے والے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جب ہم اِس امر کا لحاظ کرتے ہین کہ ۲۴۷ھ مین ولی زمانہ حضرت ذوالنون مصری اور صوفی بے ہمتا شیخ ابو تراب نخشبی کا انتقال ہو چکا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ خداوند جل و علا نے آپ کی ولادت باسعادت سے دُنیائے اسلام مین کتنی بڑی کمی کو پورا کر دیا۔

آپ کے خاندان کا پتہ لگانے کے لیے ہم نے کتب تاریخ کے بہت ورق اُلٹے اولیاء و مشائخ کی سیرتین لکھنے والون نے بے شک بتایا ہے کہ آپ کے والد ماجد خلافت کے معزز اور سربرآوردہ لوگون مین تھے حتی کہ حاجب الحجاب دربار کی اعلیٰ ترین خدمت اُن کے سپرد تھی مگر تاریخ کی کتابون سے بغیر درایت و قیاس سے کام لینے کے ہمین کچھ ثبوت نہین مل سکتا۔ تاہم آپ کا نام دُلف ایسا انوکھا اور غیر مروج نام ہے کہ اس سے کسی نہ کسی قدر پتہ ضرور لگ جاتا ہے جو بہت کچھ قرین قیاس ہے۔

جب اُس عہد مین اِس نام کا صرف ایک ہی خاندان نظر آتا ہے جس کا

سے ابن اثیر۔ جلد ۷۔ ۱۸۔ ص ۵ ابن اثیر جلد ۷ ۲۹

ابتدائی ظہور مامون رشید کے عہد مین ہوا تھا۔ عیسیٰ بن ماہان کے ساتھ جو لوگ طاہر کے مقابلے کو گئے تھے اُن مین ابودُلف نام ایک نامور شخص تھا جس کا قیام ہمدان کے قریب کرخ نام ایک قریہ مین تھا۔ عیسیٰ کے مارے جانے کے بعد ابودُلف مذکور پھر کرخ مین جا کے خاموش بیٹھ رہا۔ طاہر نے خط بھیج کے اُسے اپنے ساتھ ملانا چاہا تو اُس نے جواب دیا کہ "مین نے اب ارادہ کر لیا ہو کہ کسی کی بھی طرفداری نہ کرون"۔ یہ امر مامون کو ناگوار ہوا کہ سلطنت کی اعانت سے انکار کرنا کیا معنے۔ چنانچہ اپنے دورِ دورے کے زمانے مین اُسے بُلوایا۔ اُسکی خطا معاف کی۔ اور وہ پھر کرخ مین جا کے خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ابودُلف کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے عبدالعزیز کو ٹوصل کرنے کا شوق ہوا۔ لہذا جب سرکش غلامان ترک نے خلیفہ المستعین کے موجود ہوتے المعتز کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو عبدالعزیز بن ابودُلف نے اصلی خلیفہ المستعین کا ساتھ دیا۔ المستعین نے اِس کے صلے مین اُسے خلعت سے سرفراز کیا۔ اور علاقۂ جبل اور اصفہان کی حکومت اُس کے ہاتھ مین دیدی۔ المعتز نے رجب ۲۵۳ھ مین نئے پُرجوش باغیون کی ۲۰ ہزار فوج پر موسیٰ بن بغا نام ترکی غلام کو سردار مقرر کر کے عبدالعزیز کے مقابلے کو بھیجا۔ شہر ہمدان کے باہر لڑائی ہوئی۔ اور عبدالعزیز شکست کھا کے اپنے مستقر کرخ مین چلا گیا۔ ابن بغا کے مقدمۃ الجیش کا سردار مفلح کرخ پہونچا اور عبدالعزیز کو اُس کے گھر کے دروازے پر بھی شکست دی۔ اب عبدالعزیز نے بھاگ کے نہاوند کے قلعے مین پناہ لی۔ اِس کے چندروز بعد ابن بغا سے اور اُس سے ایک اور مقابلہ ہوا۔ اور اب بھی عبدالعزیز کی قسمت نے ناساعدت کی۔ مگر باوجود اِن شکستون کے نہاوند وغیرہ اُسی کے قبضے مین رہے۔ عبدالعزیز کے مرنے پر

ل۵ ابن خلدون۔ جلد ۳۔ ۲۵۵۔

اُس کا بیٹا دُلف جانشین ہوا۔ اُسے قاسم بن صباح نے آ کے شکست دی جس کے باعث دُلف کی زندگی ہی مین خاندان ابو دُلف کے خیر اندیشون نے اُس کے بھائی احمد بن عبد العزیز بن ابو دُلف کو اپنا سرگروہ بنا کے سنہ ۲۶۵ھ مین بھائی کا جانشین کیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اِس خاندان کا ستارہ ذرا چمک گیا۔

اِن دنون عمرو بن لیث صفّار نے خراسان وغیرہ مین ایسا زور پکڑ لیا تھا کہ خلافت کے مقبوضات پر بھی اپنا قبضہ قائم کر رہا تھا۔ اُس نے احمد بن عبد العزیز بن ابو دُلف کو اپنی طرف سے والی اصفہان مقرر کیا۔ بغداد کے سریر خلافت پر اب المعتمد تھا۔ اُس نے بجاے اِس کے کہ احمد بن عبد العزیز سے کوئی باز پرس کرتا اپنی طرف سے بھی سنہ ۲۶۶ھ مین اُسے حاکم اصفہان بنا دیا۔ اور یون احمد ایک ایسا عجیب وغریب گورنر بن گیا جو ایک ہی مُلک پر دو مخالف فرمان رواؤن کا نائب تھا۔ سنہ ۲۶۹ھ مین کتکیغ ترکی اُس کے مقابلے کو آیا۔ اور شکست کھا کے واپس گیا۔ اور شاید اِسی مہم کی ضرورت سے سنہ ۲۶۸ھ مین عمرو لیث نے اُسے روپیہ بھیجا تھا۔ سنہ ۲۸۰ھ مین احمد بن عبد العزیز نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کے دو بھائی عمرو اور بکیر مشترک والی مقرر کیے گئے جنھون نے آخر مین خلافت بغداد کی حمایت کی یعنی المعتضد کی جانب داری مین عمرو بن لیث کے بھائی رافع بن لیث سے لڑے۔ مگر شکست کھائی۔ اِس کے بعد سنہ ۲۸۱ھ مین المعتضد باللہ نے عمر بن عبد العزیز کو والی اصفہان ونہاوند وکرخ مقرر کیا۔[1] پھر چند اور جھگڑے ہوئے۔ لیکن اب عمر بن عبد العزیز بن ابو دُلف کی وقعت اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سنہ ۲۸۳ھ مین جب وہ بغداد مین آیا

---

[1] ابن خلدون۔ جلد ثالث ۲۵۵ و ۲۹۶۔

توخلافت کی جانب سے بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے اُس کا استقبال کیا گیا۔ اور خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔ [عہ]

ان واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر شبلی جن کا نام نامی دُلف تھا اسی خاندان کے کوئی رُکن رکین تھے دُلف اور جحدر ترکی نام ہیں۔ اور قرینہ مقتضی ہے کہ ان دنوں ان نومسلم خاندانوں میں دو نام رکھے جاتے ہوں۔ ایک اصلی خاندانی اور قومی۔ اور دوسرا عربی جیسے اسلامی نام کہنا چاہیے۔ اسی تعدد اسمائے لوگوں کو دھوکا دیا۔ اور اختلاف روایت پیدا ہوا۔ لہذا آپ کا نام غالباً دُلف بھی ہے۔ اور جعفر بھی۔ اور آپ کے والد کا نام جحدر بھی اور یونس بھی۔ اصلی بانی خاندان کا نام نہیں معلوم صرف کنیت ابودُلف بتائی گئی ہے جس سے ظاہر ہو کہ دُلف نام اُسکا کوئی بیٹا ضرور تھا اور کیا عجب کہ ابودُلف ہی کا نام جحدر ہو۔ لہذا بظن غالب حضرت ابوبکر شبلی عبدالعزیز بن ابودُلف کے بھائی تھے۔ اور اپنے عزیز دانی کی طرف سے حسب فرمان خلافت یا نیابتہً نہاوند کی گورنری کرتے تھے۔

علاوہ بریں جب یہ امر کتب سیر میں موجود ہے کہ آپ نہاوند کے گورنر تھے اور والد حاجب خلافت تھے [سسہ] تو یہ قیاس اور یقینی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ المستعین کے زمانے میں پہلے عرصہ تک یعنی حاجب اعظم کی خدمت پر وصیف نام ایک غلام مقرر تھا۔ اور اُسی کو جبل اصفہان کی گورنری بھی دی گئی تھی۔ پھر جب عبدالعزیز بن ابودُلف نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی تو وہ اُسی وصیف کا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ [سسہ] اور اس طرح یہ دونوں خدمتیں بھی دُلف میں آگئیں۔

عسہ ابن اثیر۔ جلد ۷۔ ۱۵۱ و ۱۵۴ و ۱۵۶۔ سسہ مرآۃ الجنان یافعی حالات ۳۳۴ سسہ ابن خلدون جلد ۳۔ ۲۹۷

حضرت ابوبکر شبلی کسی عالم و فقیہ یا صوفی و صاحب باطن شیخ کے گھر مین نہین پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ایک ترکی سردار اور نامی اسٹیٹمین کے گھرانے کے نونہال تھے۔ لہذا آپ کی بچپن کی تربیت و تعلیم کا حال بالکل نہین معلوم ہو سکتا۔ کیونکہ کتب رجال و سیر مین خلائق عادات کے دکھانے کی جس قدر کوشش کی گئی ہے علما و فضلا اور محدثین و اتقیا ہی پر محدود ہے۔ امرا و روسا کا طبقہ سوا تاجدارون اور فرمان روائون کے علما و مصنفین کی اس توجہ سے اکثر محروم رہا ہے۔ آپ کے قرابت دارون مین بھی کوئی ایسے بزرگ شخ تھے جیسے کہ جناب جنیدؒ کے عزیزون مین حضرت سری سقطی تھے۔ کہ ان بزرگ کی صحبت ہی مین کبھی کبھی آپ کی صورت نظر آجاتی۔

جو کچھ معلوم ہو سکا صرف اس قدر ہے کہ چونکہ آپ کا خاندان فقہ مالکیہ کا پیرو تھا۔ اور اسی گروہ مین آپ بھی تھے لہذا ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ مالکیہ پڑھنا شروع کی اور اُس مین کمال تبحر حاصل کیا۔ حدیثین لکھین۔ اور محدثین کے گروہ مین بھی شامل ہوئے موطائے امام مالک بر زبان تھی۔ جو حدیث کی افضل ترین کتاب تصور کی جاتی تھی۔ لیکن حق جو طبیعت چونکہ رموز باطن کے انکشاف کی مشتاق تھی لہذا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس پڑھنے لکھنے سے کچھ فائدہ نہین حاصل ہوا اور جس چیز کی تلاش ہے وہ نہین ملتی خود فرماتے ہین "مین نے تیس برس تک فقہ پڑھی یہان تک کہ ایک آفتاب میرے سینے سے طلوع ہوا۔ پھر مین اُستادون کے پاس گیا اور اُن سے علم الٰہی کا خواستگار ہوا۔ مگر کسی نے کچھ نہ بتایا کیونکہ وہ خود نہ جانتے تھے۔ یہی کہا کہ ہر چیز کا ایک نشان ہے

علیہ رسالہ قشیریہ ۳۳۔ علیہ مرآۃ الجنان یافعی۔ حالات ۳۳۴ھ ۔ علیہ طبقات الکبریٰ الشعرانی ۱؍۱۲

للعہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۸۶۔

اگر غیب کا کچھ نشان نہین۔ یہ جوابات سُن کے مجھے تعجب ہوا۔ اور مین نے کہا کہ آپ سب صاحب اندھیرے مین ہین۔ اور مین اپنے آپ کو صبح روشن مین پاتا ہون۔ مگر افسوس کہ اپنی اِس حالت پر شکر گزار نہ ہوا۔ اور اپنی ولایت چورون کے سپرد کر دی"۔ میری زبان سے یہ کلمات سُن کے لوگ بگڑے اور عداوت پر آمادہ ہو گئے[۴]۔

اِس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل مین خود بخود توحید و خداشناسی کا جوش پیدا ہوا۔ اور تعلیم فقہ و حدیث کے زمانے ہی سے انکشاف باطن کی جستجو شروع ہو گئی تھی گو اُس کے ظہور کا ابھی وقت نہین آیا تھا۔

سن رشد۔ ملازمت اور دُنیوی اوج و عروج

لیکن جس خاندان کے رُکن تھے اُس کا ہر متنفس ملازمت سپہگری۔ اور حکومت کے کاروبار مین مشغول تھا۔ چنانچہ اِس علم و فضل اور اِس جستجوئے حق پر خاندانی تعلقات غالب آ گئے۔ جو کسی درس گاہ یا خانقاہ مین بیٹھنے کے عوض اِنھین ایوان امارت مین بٹھانا چاہتے تھے۔ آپ تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی شاہی ملازمت مین داخل ہوئے۔ اور اپنے خاندانی کارنامون کے صلے مین نہاوند کے والی یعنی گورنر مقرر ہوئے[۵]۔

ہمارے پاس اِس امر کا کوئی ثبوت نہین موجود ہے کہ آپ نے زمانۂ حکومت مین کیا کارروائیان کین۔ خلافت کی کیسی خدمتین بجا لائے۔ اور رعایا کے

[۴] نفحات الانس ۲۴، ۱۷۔ [۵] تذکرۃ الاولیا۔ ۶۰۹۔ ابن خلکان و رسالۂ قشیریہ وغیرہ مین دنیاوند ہے مگر تاریخی شہادتون سے نہاوند ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اسی قدر نہین ۔ ہم اس سے بھی لاعلم ہین کہ نہاوندکی عنان حکومت کتنے دنون تک ہاتھ مین رہنے پائی تھی کہ کسی ضرورت و تقریب سے دارالخلافت مین بلائے گئے۔ اور وہ عبرت خیز واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تمہید مین آچکا ہے اور جس نے صرف ایک لفظ پر آپ کو ایک والی ملک اور رئیس قوم سے ایک صاحب باطن فقیر اور پاک نفس صوفی صافی بنا دیا۔

علوم باطنی کی طرف توجہ کرنے سے پیشتر کے حالات بیان کرنے سے مورخین اس قدر خاموش ہین کہ سوا نہاوندکی امارت کے اور کچھ حال نہین معلوم ہو سکتا۔ اکثر بزرگان دین کے حالات مین مورخین کے قلم نے اسی قسم کا بخل ظاہر کیا ہو مگر اتنا نہین جتنا کہ حضرت ابوبکر شبلی کے معاملے مین کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی اور گمنامی مین ہے۔

ان امور کا پتہ چلتا ہے کہ صوفیۂ اسلام کے سچے مذاق کے مطابق آپ متاہل تھے۔ بی بی تھین جن کے متنبہ کرنے کے لیے بعض اوقات آپ عجیب و غریب کام کر گزرا کرتے تھے۔ خدا نے اولاد بھی دی تھی۔ جن مین سے بعض کو اس نے والدین کو ثواب آخرت عطا کرنے کے لیے دنیا سے اٹھا لیا اور بعض زندہ رہے۔ چنانچہ کہتے ہین کہ آپکا ایک بیٹا جس کا نام ابوالحسن تھا اس نے مان باپ کے دل کو داغ دے کے سفر آخرت کیا۔ اور آغوش مادر سے نکال کے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔ دل شکستہ مان کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ روئین پیٹین اور سر کے بال نوچ ڈالے۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت شبلی حمام مین گئے۔ اور ڈاڑھی مین نورہ لگا لیا چند لمحون کے بعد جب حمام سے باہر نکلے تو ڈاڑھی غائب تھی۔ ڈاڑھی منڈوانا ان دنون

اس قدر خلاف فیشن تھا کہ کسی کی ڈاڑھی منڈی دیکھ کے لوگون کا خیال جواز و عدم جواز کی طرف متوجہ ہونے کے عوض اُس شخص کے ہوش و حواس بجا نہ ہونے یا کسی خاص مجبوری کی طرف رجوع ہوتا۔ اب جو لوگ تعزیت کو آتے تو آپ کی یہ وضع دیکھ کے متحیر ہو جاتے۔ اور پوچھتے "شبلی خیریت تو ہے؟" جس کا جواب آپ یہ دیتے کہ "مین نے اس بارے مین بی بی کی پیروی کی ہے۔ اُنھون نے بیٹے کے غم مین اپنے بالون پر ہاتھ صاف کیا اور مین نے اپنی ڈاڑھی پر" لیکن اس بامذاق جواب سے کسی کا اطمینان نہ ہوتا تھا اور بار بار ڈاڑھی اُڑا دینے کا اصلی سبب پوچھا جاتا۔ تب آپ نے فرمایا "سُنو مین نے یہ خیال کیا کہ لوگ یاد خدا چھوڑ کے میرے پاس تعزیت کے لیے آئین گے۔ لہذا میرے سبب سے جو لوگون کے دل مین خدا کی طرف سے بے توجہی ہو گی اُس کے فدیہ مین مین نے اپنی ڈاڑھی نذر کر دی۔"

اس واقعہ کو فقہا اور اہل ظاہر غالباً اچھی نگاہ سے نہ دیکھین گے۔ مگر ہم اُنھین مشورہ دیتے ہین کہ ذرا درایت سے بھی کام لین۔ ڈاڑھی منڈانا اُن دنون نہ امرا کے فیشن مین تھا۔ اور نہ کسی اور طبقہ کے۔ لہذا اُس زمانے مین اس فعل سے کوئی دنیوی رسوخ یا طرحداری نہین ظاہر ہو سکتی تھی۔ بلکہ بے ڈاڑھی کا انسان ہر سوسائٹی مین ذلیل و خوار تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر شبلی جذبات وحدت مین غرق ہونے سے اس قدر از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ کسی خاص دُھن مین محو ہو کے بعض اوقات ایسے افعال کر گزرتے تھے جن پر لوگون کو حیرت ہو جاتی۔ اور اگر آپ مین ہوتے تو وہ خود بھی حیران ہو جاتے۔ اسی طرح آپ کے ایک دوسرے صاحبزادے یونس بھی تھے جن سے آپ کے

سے رسالۂ قشیریہ۔ ۱۵۲۔

حالات کے متعلق صرف ایک یہ روایت ہم تک پہونچی ہے۔ کہ ایک مرتبہ اُن کے والد ماجد ساری رات چھت کے ایک کونے پر کھڑے رہے۔ اور کہتے تھے کہ "اے آنکھ اگر تو نے پلک جھپکائی تو تجھ سے کام نہ لیا جاسکے"۔ اسی طرح رات بھر پلک نہ جھپکائی۔ صبح ہوئی تو مجھ سے کہا "بیٹا۔ میں نے آج رات سوا ایک مرغ کے کسی کو خدا کا ذکر کرتے نہیں سُنا" [عـ۵]

اِن مستند شہادتوں سے یہ تو بے شک ثابت ہوگیا کہ آپ کی بی بی بھی تھیں۔ اور خدا نے اولاد بھی عطا کی تھی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ یہ عقد آپ نے جام معرفت پینے کے بعد کیا تھا یا پہلے۔ تاہم قیاس سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ باتیں در حقیقت میں آنے سے پیشتر ہی کی ہوں گی۔ کیونکہ اول تو آپ کا مذاق تصوف اِس قدر گہرا اور بیخود بنا دینے والا تھا کہ اگر تجرد کو آپ ضروری نہیں تو اپنے لیے جائز اور اپنے مذاق توحید کے مناسب ضرور خیال کرتے ہوں گے۔ علاوہ بریں یہ بتایا جاچکا ہے کہ آپ نے تئیس سال تک فقہ و حدیث کی تعلیم پائی۔ اور اگر تعلیم کا آغاز آٹھ برس کی عمر میں ہوا ہو اور چار ہی پانچ برس آپ نہاوند کے والی رہے ہوں تو توبہ کر کے علوم باطن کی طرف توجہ کرنے کے وقت آپ کی عمر شریف ۳۶ یا ۳۷ برس سے کم نہ ہوگی۔ اور اِس عمر تک اُن دنوں ایک دنیادار امیرزادے کا مجرد رہنا اور شادی نہ کرنا خلاف قیاس ہے۔

بس اِس کے سوا آپ کی دُنیاداری کی ابتدائی زندگی کے متعلق ہم کوئی بات جانتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اب خانقاہ عرفان میں چل کے ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

عـ۵ تلبیس ابلیس۔ بیان جملۃ مکروہۃ علی الصوفیۃ من الافعال المنکرۃ۔

درسگاہ معرفت

دربار خلافت مین استیفا داخل کرتے ہی آپ کو رموز باطن حل کرنے کی طرف توجہ ہوئی - اور وہ جوش یک بیک بڑے زور و شور سے اُبھرا جو تعلیم فقہ و حدیث کے وقت دل کو کسی طرح مطمئن نہین ہونے دیتا تھا - اور کسی بات سے جویاے حق قلب بیقرار کو تسلی نہ ہوتی تھی - اب کسی ایسے پاک باطن رمزدانِ وحدت کی تلاش ہوئی جسکی خدمت مین حاضر ہو کے مراحل یقین طے کرین -

اِن دنون دربار خلفا کا مرکز شہر سُرمن رائی تھا جسے اب سامرہ کہتے ہین ایوان خلافت سے نکل کے شہر کی سڑکون پر آئے اور کسی ولی کامل کا پتہ پوچھا لوگون نے خیر نسّاج کا نام لیا جو اسی شہر سُرمن رائی مین پیدا ہوئے تھے اور فی الحال خاص دار السلام بغداد مین اقامت گزین تھے - غالباً ہم وطنی کے خیال نے خیر نسّاج سے ملنے کا شوق دل مین اور بڑھا دیا ہوگا - خلاصہ یہ کہ سامرہ چھوڑ کے بغداد کی راہ لی - اور سیدھے ابوالحسین خیر نسّاج کی خدمت مین حاضر ہوئے - خیر نسّاج اگرچہ بڑے صاحب معرفت بزرگانِ دین مین سے تھے - لیکن شبلی کا ذوق و شوق دیکھا - اِن کی جوانانہ مستعدی و گرمجوشی دیکھی - اور پھر اِن کے علم و فضل کا اندازہ کیا تو اُنھین اپنے پاس رکھنا مناسب نہ سمجھے - اور خیال کیا کہ اِن کے لیے جنید بغدادیؒ سے بہتر کوئی شیخ طریقت نہین ہو سکتا - لہذا پہلے تو اپنی صحبت مین اُن سے تمام گناہون اور معصیتون سے توبہ کرائی - اور پھر اُنھین حضرت جنید بغدادی کی خدمت مین بھیج دیا - جو اُن

عہ طبقات الکبریٰ ۱۲۰ - عہ رسالہ قشیریہ ۳۳ -

دونون علوم باطن کے مرکز اور رہ نوردانِ طریقِ معرفت کے مرجع و ماوی بنے ہوئے تھے۔ اور جن کی صحبت مین اہل ذوق کا ایک بڑا مجمع رہا کرتا تھا۔

شبلی جب خیر نساج کے پیام کے ساتھ حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوئے تو سامنا ہوتے ہی عرض کیا "لوگون نے آپ کے پاس گوہرِ مراد کا پتہ دیا ہے۔ یونہی عطا ہوگا؟ یا قیمت سے؟" جنیدؒ نے اِن کی صورت دیکھ کے فرمایا "بیچون تو تم لے نہ سکوگے کیونکہ وہ بہت گران ہے اور تمھارے پاس اتنا سرمایہ نہین۔ اگر مفت دے دون تو تمھین اُس کی قدر نہ ہوگی۔ ہان اگر جوانمردون کی طرح اِس دریا مین سر کے بھل غوطہ لگاؤگے۔ اور صبر و انتظار سے جستجو کروگے۔ تو وہ گوہر مراد ہاتھ آجائے گا" [عہ]

آپ کی سیرۃ لکھنے والون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی اور خیر نساج کے علاوہ اُس عہد کے دیگر ائمۂ باطن اور اولیاے زمانہ کی صحبتون سے بھی آپ نے فیض اُٹھایا [عہ]۔ مگر ہمین سواے مذکورۂ بالا دو بزرگون کے اور کسی کا نام نہین بتایا گیا ہے۔ اور نہ آپکے حالات سے ظاہر ہوتا ہو کہ آپ کبھی کسی اور شیخ باطن کی خدمت مین بھی شرفیاب ہونے کے لیے تشریف لے گئے۔ یون تو آپ دنیا کی ہر حالت سے۔ دُکاندارون۔ راہگیرون کی صداؤن۔ اور چڑیون کی آوازون تک سے سبق لیتے عبرت حاصل کرتے۔ اور بیتاب و بیخود ہو جاتے جیسا کہ آگے چل کے ہم بیان کرین گے۔ مگر ارادت اور شاگردی کی حیثیت سے آپ کو جو کچھ فیض پہونچا صرف شیخ الطائفہ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ سے۔ خیر نساج سے بھی جو کچھ حاصل ہوا گو وہ بہت بڑی چیز ہے اور اُسی کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ایوان معرفت کا دروازہ

عہ تذکرۃ الاولیا - ۶۸۹ - عہ رسالۂ قشیریہ - ۳۳ -

کھول کے اندر آپ کو اُنھین نے بلایا مگر وہ اِس سے زیادہ نہین ہے کہ آپ نے اُن کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور اُنھین کی تلقین سے مشاغل دنیا کو ترک کیا۔

حضرت جنید نے ابتدا ہی سے بڑی سخت محنت لینا شروع کی خصوص سب سے زیادہ یہ کہ کہا تم نے نہاوند کی رعایا پر حکومت کی ہے۔ بہتون کے مظلمے تمھارے سر باقی ہون گے۔ جب تک وہ دھبّے دامن سے نہ چھوٹین تم دربار معرفت مین باریاب نہین ہو سکتے۔ لہذا جاؤ۔ اور وہان کی رعایا سے سند معافی حاصل کرو۔ سچ یہ ہے کہ یہ سب ریاضتون سے بڑی ریاضت تھی۔ مگر آپ کو جستجوے حقیقت کی ایسی دُھن لگی ہوئی تھی کہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نہاوند مین جا کے اُنھین لوگون سے جو ابھی کل تک آپ کے تابع فرمان تھے معافی چاہی۔ اور سب سے بعجز و لجاج کہا مین تمھارا والی تھا۔ مجھ سے تم پر کوئی زیادتی ہوئی ہو۔ یا تم پر کبھی میرے ہاتھ سے جور ہوا ہو۔ تو اُسے معاف کر دو۔ اِس بارۂ خاص مین خلوص نیت کی برکت سے آپ مین ایسی سرگرمی پیدا ہو گئی تھی کہ سارے شہر مین ایک ایک کے دروازے پر جا کے مرد عورت بوڑھے بچے سے عفو کی درخواست کرتے۔ اور کوئی نہین رہا جس سے اپنا کہا سُنا معاف کرا کے سند معافی نہ حاصل کر لی ہو۔ سوا ایک شخص کے جو موجود نہ تھا۔ اور اُس کا ایک درہم اِن کے ذمہ باقی تھا۔ اُسے بہت تلاش کیا۔ بہت سا روپیہ اُس کے کفارے کے طریقے سے خیرات کیا مگر دل کو کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ اور مرتے دم تک اُس کا ڈر لگا رہا۔ چنانچہ جعفر بن نُصیر بکران دینوری جنھین آپ کی خدمتگذاری کرنے کا شرف حاصل ہے۔ بیان کرتے ہین کہ شبلی نے وفات کے

ع تذکرۃ الاولیا ۶۸۹۔ ع رسالۂ قشیریہ ۳۳۔ ع تذکرۃ الاولیا۔ ۶۸۹۔

وقیمت ... کہا "میرے ذمہ ابھی ایک درہم کا خیال باقی ہے - اس لیے کہ دس ہزار
درہم خیرات کر چکا ہوں مگر دل پر سے اس کا بار نہیں ہٹتا۔"

آپ حضرت جنید نے ریاضت شروع کرانے سے پہلے کسر نفس کے سبق دینا
شروع کیے چنانچہ کہا ایک سال تک کبریت بیچو جب یہ سال ختم ہوا تو ارشاد ہوا کہ
ایک سال دریوزہ گری کرنا اور در در جا کر بھیک مانگو لیکن یہ شرط ہے کہ جو چیزیں ملیں
اُن میں سے کسی پر مشغول نہ ہو جانا۔ یہ برس آپ کو اس حالت میں گذرا کہ ساری
بغداد میں ایک ایک کے دروازے پر جا کے سوال کرتے۔ اور کوئی کچھ نہ دیتا۔
کیونکہ یقیناً لوگوں کو بڑی حیرت ان سے یقین آیا ہوگا کہ یہ محتاج ہیں۔ اور افلاس
کی مجبوری سے سوال کرتے ہیں فقیری میں اس ناکامی کی خبر حضرت جنید کو پہنچی
تو فرمایا "اب تمہیں اپنی قدر و قیمت معلوم ہو گئی ہوگی۔"

برابر چار سال ان مختلف حالتوں کو گزر گئے تو شیخ جنید نے آپ کے قلب کا
امتحان لیا اور فرمایا "ابھی تم میں تھوڑی جاہ طلبی باقی ہے ایک سال اور گدائی
کرو" اس سال آپ کو لوگوں کی فیاضی سے بھیک ملتی تھی۔ مگر جو کچھ ہاتھ آتا روزانہ
لا کے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ وہ اُسے اپنے حلقے کے درویشوں
میں تقسیم کر دیتے۔ اور انہیں اکثر بھوکا ہی رکھا کرتے۔ جب یہ سب مراحل جھیل چکے
تو شیخ جنید نے فرمایا "اب میں تمہیں اپنی صحبت میں رکھوں گا۔ لیکن ابھی شرط باقی
ہے کہ ایک سال تک درویشوں کی خدمت کرو" یہ بھی کیا۔ اور ان ابتدائی ریاضتوں
سے فارغ ہو کے حضرت شیخ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو جنید نے پوچھا "بتاؤ

سے طبقات الکبریٰ ۱۲۰ - و رسالۃ القشیریہ - ۱۸۱ -

اب بتا رسے نزدیک تمھارے نفس کا کیا رتبہ ہے؟" عرض کیا " اپنے آپ کو ساری خلقت سے ادنی درجہ پر پاتا ہون" ارشاد ہوا کہ " اب تمھارا ایمان درست ہوا"

دیگر اہل سیر نے اگرچہ ان ابتدائی امتحانون اور بے نفسی کی تعلیمون کی تفصیل نہین بیان کی ہے۔ مگر اس امر مین کُل اہل سیر کو اتفاق ہے کہ ابتدائے عمر مین آپکے مجاہدات حد سے گزرے ہوئے تھے[۳] کمال باطنی کی یہ ابجد ختم کرنے کے بعد عبادت وریاضت مین مشغول ہوے تو معمول تھا کہ ہر روز ایک سرد آب (تہ خانے) مین اُتر جاتے۔ اور اپنے ساتھ جلانے کی کچھ لکڑیان بھی لیتے جاتے۔ وہان خلوت مین بیٹھ کے مصروف عبادت ہوتے۔ کسی وقت دل ذرا بھی غفلت کرتا تو اُن مین سے ایک لکڑی اُٹھا کے آپ ہی اپنے جسم پر مارنا شروع کرتے۔ اور یہان تک مارتے کہ جب تک وہ لکڑی ٹوٹ نہ جاتی ہاتھ نہ رُکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ سب لکڑیان دن ختم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتین اور ایسی حالت مین جسم کو اذیت پہونچانے کیلیے اپنے ہاتھ پاؤن زور زور سے دیوار پر مارتے[۴]۔ غرض ایسی ایسی سخت مصیبتین جھیل کے دل کو قابو مین لاتے۔ اور اُسے عادی بناتے کہ حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہو تو پھر کسی اور طرف کا رُخ نہ کرے۔

آغاز حال مین زار و قطار رویا کرتے۔ اور آہین بھرتے تھے حضرت جنید نے یہ دیکھ کے فرمایا " حق تعالیٰ کی درگاہ سے شبلی کو ایک ودیعت دی گئی تھی۔ اُسنے چاہا کہ اُس امانت مین خیانت کرے لہذا اُسی جُرم کی سزا کیلیے آہ وزاری کی تکلیف مین مبتلا

عــــہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۹۔ عــــہ رسالۂ قشیریہ ۳۳۔ مرآۃ الجنان حالات ۳۳۴ھ ابن خلکان جلد اول ۱۵۶۔ عــــہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۳۲۔

کیا گیا ہے[۱۱]۔ راتون کو بالالتزام جاگتے۔ اور صبح تک سونے کا نام نہ لیتے[۱۲]۔ بعض اوقات نفس نہ مانتا طبیعت سستی کرتی۔ اور آنکھون مین نیند بھر آتی۔ اِس کے لیے طرح طرح کی تدبیرین کرتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہین "فلان فلان راتون کو مین نے نمک کا سُرمہ لگایا۔ تاکہ جاگنے کی عادت پڑے۔ اور نیند نہ آئے۔ اور جب اِس سے بھی کام نہ چلا تو مین نے سلائی گرم کر کے آنکھون مین پھیری[۱۳]"۔ یہ دیکھ کے لوگون نے کہا "معلوم ہوتا ہے آپ کو آنکھون کی ضرورت نہین رہی"۔ فرمایا "مضائقہ نہین جس کے دیدار کا اشتیاق ہے وہی اِن آنکھون سے پوشیدہ ہے تو پھر یہ کس کام کی ہین[۱۴]؟"

اُستاد ابوعلی دقّاق کا بیان ہے کہ اُنھون نے ایسے ایسے نمکون کا سُرمہ لگایا۔ جن کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ اور بیداری کی عادت پڑتی۔ اور اگر شرع شریف کی تعظیم کا خیال نہ ہوتا تو اور زیادہ ریاضت کرتے[۱۵]۔ حد سے زیادہ جاگتے اور نیند سے دست بردار ہو جانے پر لوگون نے آپ کو الزام دیا تو فرمایا "مین نے سُنا کہ خدا مجھ سے کہہ رہا ہے جو سویا غافل ہوا اور جو غافل ہوا اُس کی آنکھ پر پردہ پڑ گیا پھر بھلا مین کیونکر سو سکتا ہون؟ اسی لیے نمک کا سُرمہ لگاتا ہون تاکہ آنکھ نہ لگے[۱۶]"

عشق الٰہی کے کتب مین داخل ہوتے ہی یہ رنگ ہو گیا کہ اللہ جل شانہ کے نام پر شیدا تھے جب کسی کے مُنہ سے یہ نام پاک نکل جاتا۔ اُس کا مُنہ شکر سے بھر دیتے۔ اور لڑکون کو شکر بانٹا کرتے کہ اللہ کا نام لو۔ یہ ذوق بڑھتے بڑھتے یہان درجے کو پہونچا کہ آپ جس کی زبان پر یہ نام پاک آتا اُس کا مُنہ دینار دون (اشرفیون)

---

[۱۱] تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۳۔ [۱۲] طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲۔ [۱۳] تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۹۔ [۱۴] للعہ رسالہ قشیریہ۔ ۳۴۔ [۱۵] طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۳۔

سے پھرتے۔ اِس کے بعد عشق الٰہی کے جوش مین کچھ ایسا انقلاب ہوا۔ اور ایسا خیال
رقابت پیدا ہوا کہ تلوار لیے پھرتے۔ اور کہتے کہ جو کوئی اللہ کا نام زبان پر لائے گا
اُس کا سر اُڑا دون گا۔ بعض لوگون نے جرأت کر کے اِس کا سبب پوچھا تو فرمایا
کہ "لوگ عادت پڑ جانے کے سبب سے غفلت و بے توجہی کے ساتھ اللہ کا نام پاک
زبان پر لاتے ہین۔ اِن مین خلوص و ارادہ نہین" یہ بھی آپ کے معمولات مین تھا
کہ جہان کہین اللہ جل شانہ کا نام لکھا یا منقوش نظر آیا اُسے بوسہ دیتے۔ یہ حالات
تھے۔ اور اِس رنگ مین ڈوبے ہوئے تھے کہ یکایک سینے سے نکل کے کان مین
فرشتۂ ہدایت کی آواز آئی "کب تک رسم پرستی کرے گا؟ طالب ہے تو بجائے اسم
کے مسمی کی راہِ طلب مین قدم رکھ" اب ہجوم شوق بڑھا۔ جوش عشق نے جنون و
جذب کی شان اختیار کی۔ اور ایسے بیتاب و بیقرار ہوئے کہ ایک بار دجلہ مین
پھاند پڑے۔ مگر خدا کی قدرت لہرون نے کنارے پر پھینک دیا۔ آگ مین کودے
لیکن اُس سے بھی بچ گئے۔ دیگر مہلک تدبیرین عمل مین لائے۔ اور اُن سے
بھی بچے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن جوش و خروش مین کمی ہونے کو نہ آتی تھی۔ پکارتے
پھرتے تھے۔ "ویل لمن لا تقتلہ الماء والنار والسباع والجبال" (شامت ہو اُسکی
جسے نہ پانی ڈبوتا ہے ورنہ آگ جلاتی ہے۔ نہ درندے پھاڑتے ہین۔ اور نہ پہاڑ ہلاک
کرتے ہین) مگر اِس بیتابانہ سوال کا جواب اُسی فرشتۂ ہدایت نے سینے کے اندر سے
یہ دیا کہ "من کان مقتول الحق لا یقتلہ غیرہ" (جو خدا کا مقتول ہو اُسے کوئی دوسرا قتل نہین
کر سکتا) آخر بیتابی یہان تک بڑھی کہ لوگون نے زنجیرون مین باندھ کے بٹھا یا اور
مشہور ہوا کہ شبلی دیوانے ہو گئے۔ چنانچہ لوگ شفا خانے مین اُٹھا لے گئے۔ مگر یہ سب

یہی فرماتے تھے کہ تمھارے نزدیک مین دیوانہ ہون۔ اور میرے نزدیک تم دیوانے ہو۔ میری یہ دیوانگی انشاء اللہ روز بروز زیادہ ہی ہو گی"۔[۵]

از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب ۔ درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

پیر اور مرید

حضرت جنید بغدادی کی بارگاہ فیض سے طالب حقیقت مرید شیخ ابوبکر شبلی کو جو تعلیمین حاصل ہوئین جس عنوان سے اُنھون نے آپ سے شاہراہ طریقت کی دشوار منزلین طے کرائین۔ اور پیر اور مرید مین باہم جو واقعات پیش آئے وہ بھی اگرچہ دراصل گذشتہ بحث یعنی درس گاہ معرفت ہی کا ایک جزو ہین مگر ہم اُن مین ایک خاص لطف دیکھ کے اُنھین علحدہ بیان کرنا پسند کرتے ہین۔ بے شک رشد کی تعلیمون کا اہم حصہ اوپر بیان ہو چکا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ گذشتہ بحث کی تعلیمون مین صرف پڑھانے اور درس دینے کی شان تھی اور اِن باتون مین جن کا ذکر اب آئے گا۔ اتالیقی اور روحانی تربیت کی شان پائی جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی مین باوجود اعلیٰ درجے کے مدارج عرفان طے کر لینے کے متانت تھی۔ ضبط تھا۔ اور اُن کی فقیری مین بھی عالمانہ وقار نمایان تھا۔ یہ خلاف اِس کے شبلی مین جوش و خروش تھا۔ بے صبری و بیقراری تھی۔ اور ایسی محویت و بے اختیاری تھی کہ اپنی بے روک طبیعت کو قابو مین نہ رکھ سکتے تھے۔ اور اِس اختلاف مذاق و طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی تو حضرت جنید آپ سے باہر ہونے والے

---

[۵] تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۰۔

مرید کو اپنی قوت کمال سے روک دیتے اور کبھی اُس کے اثر سے یہان تک متاثر ہوتے کہ خود بھی بیتاب ہو جاتے۔

حضرت جنید کی صحبت مین ابوبکر شبلی کا پہلا رنگ تو یہ تھا کہ ایک بار اُن کی زبان سے کلمہ" لاحول ولاقوۃ الا باللہ" نکل گیا۔ جنید نے فوراً ٹوکا اور ارشاد فرمایا "یہ کلمہ کسی بات سے تنگ آجانے کے خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور تنگ آجانا رضی برضا ہونے سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔" عرض کیا بجا ارشاد ہوا[۵]۔ غالبًا ظاہر بینون کو اس پر اعتراض ہوگا۔ لیکن خود واقعہ بتا رہا ہے کہ حضرت جنید نے لاحول پڑھنے سے نہین بلکہ خدا کی مرضی پر نہ راضی ہونے سے روکا۔ اور یہ تعلیم اسلام کی اعلیٰ تعلیمون کی جان ہے۔

ایک مرتبہ ایک خراسانی جوان حضرت جنید بغدادی کی خدمت مین حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کا عصا اور اُس کی چھاگل لے کے اپنے پاس گھر مین رکھ لی اور ٹھہرایا۔ اتفاقًا اُسی رات کو آپ کے مریدون کی ایک صحبت ہونے والی تھی۔ لہذا آپ نے بعض اصحاب کو بُلا کے فرمایا "اس نوجوان کو لے جا کے اپنے ساتھ رکھو۔ رات کو اپنی صحبت مین شریک کرو۔ اور صبح کو میرے پاس لے آنا۔" اس محفل مین کھانے کے بعد مریدان جنید مین کچھ مزاح ہونے لگا۔ اور اُس خراسانی جوان سے بھی شریک ہونے کی درخواست کی گئی۔ اُس نے انکار کیا۔ بلکہ ان سب لوگون کو الزام دینے لگا کہ آپ کا یہ کام نہین۔ شبلی تمام مریدان جنید مین پُرجوش تھے اُس پر نگاہ غیظ و غضب ڈالی۔ اور کہا چپکے بیٹھے رہو۔ ورنہ اُٹھ کے سر اُڑا دون گا۔ یہ سُن کے وہ خاموش ہو رہا

---

[۵] رسالۂ قشیریہ ۱۷۰۔

اور پھر سب کی نظر بچا کے غائب ہو گیا۔ دوسرے دن جب یہ واقعہ حضرت جنید کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے گھر مین جا کے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہین کہ اُس کا عصا اور چھاگل بھی غائب ہین۔ سمجھ گئے کہ وہ کوئی صاحب تصرف شخص تھا۔ باہر آ کے اپنے مریدون پر خفا ہوئے۔ اور فرمایا "مین کئی بار تم لوگون سے کہہ چکا ہون کہ کوئی اجنبی شخص آیا کرے تو اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم مجھے خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ اپنا عصا اور چھاگل اُٹھا لے گیا"۔[۵]

شاید یہ واقعہ حضرت شبلی کے پہلے پہل آنے کا ہو۔ کیونکہ آپ کی زندگی مین ہمین اس قسم کا اور کوئی واقعہ کسی مستند و معتبر کتاب مین نہین نظر آیا۔ اور نہ اور کبھی ہمنے جنید کو شبلی پر غصہ کرتے یا اظہار ناراضی فرماتے دیکھا۔ حضرت ابوبکر شبلی مین جوش تھا اور عالم باطن مین جنید کے سامنے آپ کی وہی شان نظر آتی ہے جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے مین تھی۔ اور نہ ہمین آپ سے کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا جو مرشد کو ناگوار ہو قرین قیاس نہین معلوم ہوتا

خیر اگر ابتدائے زمانۂ ارادت مین یہ مان بھی لیا جائے تو بعد کے زمانون مین ہم حضرت جنید کو شبلی کا نہایت ہی قدردان شیخ پاتے ہین حضرت جنید کے حالات مین ہم بیان کر چکے ہین کہ شیخ ابوبکر شبلی پر اکثر ایک مدہوشی کا عالم طاری رہتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے۔ ایک دن دریائے وحدت مین ڈوبے ہوئے اور عشق الٰہی سے بیتاب و بے قرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ سامنے آ کے

---

[۵] نفحات الانس ص ۲۳۶۔

اور بے ہوش ہوگئے۔ اور انتہا درجے کی بیتابی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اور جوش و خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عَوَّدْتَنِی الْوِصَالَ وَالْوَصْلُ عَذْبٌ — وَرَمَیْتَنِی بِالصَّدِّ وَالصَّدُّ صَعْبٌ

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیریں ہے۔ اور روگردانی سے مجھے زخمی کیا اور روگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

زَعَمُوا حِینَ اَزْمَعُوا اَنَّ ذَنْبِی — فَرْطُ حُبِّی لَهُمْ وَمَا ذَاکَ ذَنْبٌ

مجھے زخمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ مجھے اُن سے زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

لَا وَحَقِّ الْخُضُوعِ عِنْدَ التَّلَاقِی — مَا جَزَا مَنْ یُحِبُّ اَنْ لَا یُحَبَّ

اُس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے محبت کرنے والے کی سزا یہ نہیں ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار سُن کے حضرت جنید نے بھی بیتابی کے ساتھ پُرجوش و پُرحسرت شعر پڑھ دیا۔

وَتَمَنَّیْتُ اَنْ اَرَاکَ فَلَمَّا رَاَیْتُکَا — غَلَبَتْ دَهْشَةُ السُّرُورِ فَلَمْ اَمْلِکِ الْبُکَا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی لیکن جب تجھے دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر طاری ہوئی کہ جوشِ گریہ کو نہ روک سکا۔[۱۵]

حضرت جنید کے حالات میں ناظرین اس واقعہ کو بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مگر یہ ضروری خیال کرکے ابوبکر شبلی کے واقعات میں بھی اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ شبلی ایک دن مئے وحدت کے نشے میں چور رندانہ وضع سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

---

۱۵ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔

جناب جنید کی بی بی عارف زمانہ شوہر کے پاس بیٹھی ہوئی تھین۔ ایک نامحرم مرید کو آتے دیکھ کے ارادہ کیا کہ اُٹھ کے پردے مین چھپ جائین۔ مگر جنید نے روکا اور فرمایا "کہان جاتی ہو؟ شبلی اِس وقت اپنے آپے مین نہین۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ یہان موجود ہین۔ وہ تو غائب ہین۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہین۔ ایسی حالت مین تمھین چھپنے کی ضرورت نہین" شوہر کی زبان سے یہ کلمات سُن کے بیچاری اُٹھتے اُٹھتے پھر بیٹھ گئین۔ اور شبلی اندر آئے۔ جن سے جنید سے کچھ باتین ہوئین۔ اثنائے گفتگو مین شبلی پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔ یہ رنگ دیکھتے ہی جنید نے بی بی سے فرمایا "تمھارے چھپنے کا وقت آگیا۔ کیونکہ شبلی عالم باطن سے ظاہر کی طرف آ رہے ہین۔ اب تم اُٹھ کے پردے مین چلی جاؤ" وہ اُٹھ کے پردے مین چلی گئین۔ اور شبلی پھر اِسی عالم ظاہر مین تھے۔[عہ] بعض معتبر ذرائع[عہ] سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کا وہ اشعار پڑھنے کا مذکورۂ سابق واقعہ اور یہ جنید کی بی بی کے سامنے آنے کا واقعہ دونون ایک ہی وقت مین گذرے یعنی وہ اشعار شبلی نے اِسی محترم خاتون کے سامنے پڑھے تھے۔

اَب جذبات وحدت نے شبلی کا یہ عالم کر دیا تھا کہ مرشد کو بھی اکثر خاموشی کے ساتھ اُن کے عذرات تسلیم کر لینا پڑتے۔ چنانچہ جب اُنھین حد سے گذرتے اور مخفی جذبات باطن کو علانیہ اور علی رؤس الاشہاد بیان کرتے دیکھا تو حضرت جنید نے روکا اور فرمایا "مین اِن رموز کو پوشیدہ بیان کیا کرتا تھا اور تم منبرون پر چڑھ چڑھ کے علانیہ کہا کرتے ہو" خودی سے گذرے ہوئے پرجوش مرید نے عرض کیا "مین ہی

عہ عوارف المعارف ۱۰۸-۱۰۹ عہ مرآۃ الجنان یافعی۔ حالات ۳۳۴ھ

کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ میرے سوا دونوں جہان میں موجود ہی کون ہے۔
یہ صدا حق سے آتی ہے۔ اور حق کی طرف جاتی ہے۔ درمیان میں شبلی نہیں ہے۔"
یہ جواب شافی سن کے حضرت جنید بولے "یوں ہے تو تم جو چاہو کہو" با وجود اس کے
حضرت جنید آپ بھی اکثر یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ کے بھید کو مجھ پر یوں نہ ظاہر
کیا کرو"عہ مگر اس نصیحت پر عمل کرنا شبلی کے اختیار سے باہر تھا۔ بعض اوقات شیخ کے
پند و نصائح پر آپ ایسی پر لطف تعریض فرماتے کہ خود مرشد کا دل پھڑک جاتا۔ ایک
دن اثنائے گفتگو میں حضرت جنید نے فرمایا "من طلب وجد" (جس نے ڈھونڈھا پا لیا)
شبلی بولے جناب یوں نہیں۔ یوں فرمایئے کہ "من وجد طلب" (جس نے پایا وہی طالب ہوا)سہ

ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم مانک جو بندار ارغانی کے شاگرد تھے انھوں نے کچھ اوپر
سو برس کی عمر پائی تھی اور شیخ ابو بکر شبلی کو دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار
جنید نے منبر پر جا کے فرمایا "حق جنید حاضر بود" مطلب یہ تھا کہ "جنید (میں) بیچ میں موجود
تھا" شبلی نے ایک جوش و خروش کے ساتھ فوراً ٹوکا۔ اور کہا "غیبت حرام ہے" مطلب
یہ کہ جنید کہاں سوا اس ذات وحدہ لاشریک کے کوئی نہ تھا۔ اور جب کہ جنید غائب تھے تو
پھر ان کو ان کے پیٹھ پیچھے موجود بتانا غیبت ہے۔ے

ایک دن جنید نے پوچھا "تم حق تعالیٰ کو کیونکر یاد کرتے ہو؟ اس لیے کہ نہ تم میں
اس کے یاد کرنے کے قابل صدق ہے۔ اور نہ اس کے ذکر کی صلاحیت ہے" حضرت
جنید کے اس قول میں صرف شبلی مخاطب نہیں بلکہ انسانی حالت و فطرت کی نسبت
کہا گیا ہے کہ اس میں خدا کا ذکر کرنے کے مناسب صدق اور اس کا نام زبان پر

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۲ سہ طبقات الکبریٰ۔ ۱۲ ے تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۶ ٭ نفحات الانس۔ ۲۲۹۔

لانے کی اہلیت نہیں ہو سکتی۔ شبلی نے کہا "میں بہ حیثیت مجاز اُس کو اس قدر یاد کرتا ہوں کہ وہ بہ حیثیت حقیقت خود ہی میری طرف توجہ کرتا اور ایک بار مجھے یاد کر لیتا ہے۔" یہ ایسی سچی اور رتبہ کی بات تھی کہ حضرت جنید سا ضابط و متین شخص بھی ایک نعرہ مار کے بیہوش ہو گیا۔ مرشد کی یہ حالت دیکھ کے شبلی کی زبان سے نکلا "رہنے بھی دو کیونکہ اس دربار میں کبھی خلعت ملتا ہے اور کبھی تازیانہ۔"

ان باتوں سے جنید شبلی کے کمال روحانی کا لوہا مان گئے تھے چنانچہ ایک دن شبلی کو شوق و وجد کے غلبہ سے متحیر و مضطرب دیکھ کے کہا "شبلی اگر تم اپنا کام حق تعالے پر چھوڑ دو تو راحت پاؤ۔" یہ سن کے شبلی نے جواب دیا "یوں تو نہیں۔ لیکن ہاں اگر حق تعالے میرا کام مجھ پر چھوڑ دے تو البتہ راحت پاؤں۔" جنید یہ سنتے ہی بے تحاشا کہہ اُٹھے "شبلی کی تلوار سے خون ٹپکتا ہے۔"[۵]

انھیں باتوں کی وجہ سے حضرت جنید کے ساتھ شبلی کو ایسی خصوصیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی صحبت میں جو قدر و منزلت انکی ہوتی کسی کی نہ تھی چنانچہ ایک بار حضرت جنید نے اپنے مریدوں اور حاضرین صحبت سے فرمایا "تم لوگ باہم ایک دوسرے کو جس آنکھ سے دیکھتے ہو اُس آنکھ سے شبلی کو نہ دیکھا کرو۔ کیونکہ یہ ایک آنکھ ہیں اللہ کی آنکھوں میں سے۔"[۶]

ایک بار جنید نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ صبح اُٹھتے ہی شبلی سے یہ کیفیت بیان کر کے پوچھا "تم اپنے کون سے اعمال کیا کرتے ہو؟" اُنھوں نے عرض کیا کہ "نماز مغرب کی بعد ... [illegible]

---

[۵] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۷۔ [۶] نفحات الانس۔ ۱۷۴۔

دو رکعت نفل پڑھا کرتا ہون۔ اور اُن مین آیۂ کریمۂ لقد جاء کم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ الخ ضرور پڑھا کرتا ہون۔" سُن کے جنید نے فرمایا "بے شک یہ اسی کی برکت ہے۔"[عہ] غالباً اسی معاملے کو ملاحظہ فرما کے اور نیز دیگر حالات باطن کا اندازہ کر کے اکثر فرمایا کرتے تھے "ہر قوم کا ایک تاج ہوا کرتا ہے اور شبلی اس قوم کے تاج ہین۔"[عہ]

اور یہ بھی مرشد کی خدمت مین اب اس قدر بیباک ہو گئے تھے کہ اپنے جذبات پاکباطنی کے جوش مین جو چاہتے کر گذرتے۔ چنانچہ ایک دن حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوئے تو اُن کی صورت دیکھی۔ اور ہاتھ بڑھا کے اُن کے عمامے کی بندش بگاڑ دی۔ جنید نے تو تعرض نہین کیا۔ مگر حاضرین نے متحیر ہو کے پوچھا "یہ کیا؟" بولے "مجھے اس وقت یہ پگڑی بہت ہی بھلی اور خوشنما معلوم ہوئی۔ اس لیے مین نے اُسے بگاڑ دیا" یعنی مین اپنے مرشد کے لیے زینت دنیوی کو نہین پسند کرتا۔[سہ]

لیکن باوجود ان قدردانیون اور ایسی قربت کے راز و نیاز کے حضرت جنید نے اپنی مرشدی اور اُستادی کی وضع نہین چھوڑی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات نہ ہونے دیتے جس سے شبلی کا نفس موٹا ہو۔ ایک دن خدمت مین بہت سے مرید اور عقیدت کیش حاضر تھے۔ اور شبلی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگون نے شبلی کی تعریف شروع کی کہ "ان مین صدق ہے ذوق و شوق ہے۔ اور یہ ایسی باتین ہین جو اور کسی مین کم نظر آتی ہین" حضرت جنید بولے "غلط کہتے ہو۔ یہ تو مردود اور خدا سے دور ہے۔" پھر حکم دیا کہ "شبلی کو میری صحبت سے نکال دو" جب شبلی اس حکم کے

عہ تذکرۃ الاولیا - ۶۹۷۔ عہ نفحات الانس - ۱۷۴۔ سہ تذکرۃ الاولیا - ۶۹۶۔

مطابق نکالے جاچکے تو ارشاد فرمایا "تمہاری یہ تعریف تعریف نہ تھی بلکہ ایک تلوار تھی جس سے تم شبلی کو قتل کیا چاہتے تھے۔ اگر میں نے اختلاف نہ کیا ہوتا تو اُس کا نفس سرکش ہو جاتا۔ وہ تمہارے اِس حربے سے ہلاک ہونے ہی کو تھا کہ میں نے ایک سپر درمیان میں کردی اور اُسے بچا دیا۔"[۴]

حضرت جنید کے بعد بھی شیخ ابوبکر شبلی کو اپنے مرشد کا ویسا ہی ادب و لحاظ رہتا جیسا پاس ادب کہ اُن کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جنید مرحوم و مغفور کی تربت پر کھڑے ہوئے تھے کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بجائے جواب دینے کے یہ شعر پڑھ دیا۔[۵]

انی لاستحییت فی التراب بیننا ۔۔۔ کما کنت استحییت وھو یرانی

اس وقت جب کہ وہ ہمارے سامنے خاک میں مدفون ہیں میں اُن سے ویسی ہی شرم کرتا ہوں جیسی شرم اُن سے اُن دنوں کرتا تھا جب وہ مجھے دیکھتے ہوتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں پیر اور مرید گذرے ہیں مگر جنید اور شبلی کے سے مراد و مرید کم نظر آئیں گے جس طرح اب کسی مرید کو جنید کا سا مرشد ملنا دشوار رہا اُسی طرح شبلی کا سا مرید بھی چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو کسی مرشد کو نصیب ہو گا۔

مزاج طبیعت۔ اخلاق و عادات اور عام واقعات

باوجودیکہ شبلی کے جذب و جوش اور بے اختیاری و ازخود رفتگی کی کوئی انتہا

---

[۴] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۲ [۵] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۵۳۔

نہ تھی مگر اُن درویشون اور فقیرون مین نہ تھے جو شرع شریف کی طرف سے غافل و بے پروا ہوجاتے ہین۔ آپ کے شیخ حضرت جنید بغدادی ہی کی نصیحت تھی کہ سوا حضرت رسالت صلعم کے نقش قدم پر چلنے کے خلقت پر تمام راستے بند ہین [عہ۵]

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

چنانچہ فرائض دین کے پورے پورے پابند تھے۔ نماز روزہ اور عبادات الٰہی مین ہمیشہ مشغول ومنہمک رہتے۔ اور اس حد سے زیادہ انہماک سے طبیعت مین ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُس اضطراب کے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ شرع مطہر نبوی صلعم کی تعظیم مین بہت مبالغہ کرتے۔ رمضان مبارک کا مہینہ آتا تو عبادت کیلیے خاص اہتمام اور بے انتہا کوشش فرماتے۔ اور کہتے اُس مہینے کی میرے پروردگار نے تعظیم کی ہے تو پھر مین تو اسکی تعظیم کرنے کا اور زیادہ مستحق ہون [عہ۶]"

لیکن روحانی تعلیم اور صفاے باطن کی برکت سے اِس زہد و اتقا مین کسی قسم کا عُجب و تکبر نہین پیدا ہونے پایا تھا جیسا کہ اکثر مقتدا اُن مین پیدا ہوجاتا ہے فرماتے تھے "میرا تکیہ گاہ عجز و نیاز ہے۔ اور انکسار مجھے لاٹھی پکڑ کے لے چلتا ہے" عزلۃ الاقدام دنیا کی حالت دیکھ کے فرماتے "مین چار بلاؤن مین مبتلا ہون۔ (۱) نفس۔ (۲) دُنیا۔ (۳) ہوا۔ (۴) شیطان۔ اور یہ تین بڑی بھاری مصیبتین مجھ پر آپڑی ہین۔ (۱) حق میرے دل سے دور ہے (۲) باطل حق کی جگہ آکے بیٹھ گیا ہے (۳) ایسا نفس کا فر رکھتا ہون جو اس درد کی دوا کی ذرا بھی فکر نہین کرتا" اکثر فرماتے "میری ذلت نے یہود کی ذلت کو مٹا دیا۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا "اپنا

عہ۵ تلبیس ابلیس۔ عہ۶ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔ و رسالہ قشیریہ ۲۴۔ عہ۵ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۔

حال بیان کرو" اُس نے کہا "میں حرف ب کے نیچے کا نقطہ ہوں" یعنی نہایت حقیر چیز ہوں۔ آپ نے سُن کے فرمایا "تم میرے گواہ ہو جب تک اپنے لیے کوئی جگہ نہیں معین کرتے۔" آپ کے انکسار کی یہ حالت تھی کہ فرمایا "ایک مدت سے ارادہ کرتا ہوں کہ حسبی اللہ کہوں۔ مگر جب کہنے پر آمادہ ہوتا ہوں دل میں خیال گزرتا ہے کہ کیوں جھوٹ بکتا ہے۔ اور میں کہتے کہتے خاموش ہو جاتا ہوں۔"

عبدالرحمٰن خراسانی جو آپ کے خوشہ چینان باغ ولایت میں سے تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت شیخ شبلی کے دروازے پر جا کے دستک دی۔ آپ گھبرائے ہوئے ننگے سر اور ننگے پاؤں باہر نکل آئے اور پوچھا "کسے پوچھتے ہو؟" اُسنے کہا "شبلی کو" سنتے ہی بولے "تم نے نہیں سُنا؟ مات کافرٌ فلا رحمہ اللہ (کافر مر گیا خدا اُس پر رحم نہ کرے)۔"

زہد و ریاضت نے آخر الامر آپ کے دل میں رنج و الم اور تکلیف و مصیبت کی گوارائی پیدا کر دی تھی۔ رنج سے اُنس ہو گیا تھا۔ اور تکلیف میں ایک مزہ ملنے لگا تھا۔

چنانچہ درگاہ حضرت رب العزت میں دعا کیا کرتے کہ خداوندا خلقت تیری نعمتوں کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتی ہے اور میں تیری بلاؤں کے باعث تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔" اور حقیقۃً آپ کو دنیوی سامان عشرت سے بالطبع نفرت تھی چنانچہ ایک دفعہ جوش میں آ کے بارگاہ الٰہی میں دُعا کی کہ "خدایا! دنیا و آخرت دونوں مجھے بخش دے تاکہ ان دونوں کا ایک نوالہ بنا کے کسی یہودی کے مُنہ

مین رکھ دون جس کے بعد یہ دونون پردے خلقت کے آگے سے اُٹھ جائین اور اہل عالم منزل مقصود تک پہونچ سکین"۔ یہودیون کا حریص وطامع اور انتہا درجے کا دنیا طلب ہونا یورپ مین بھی مشہور ہے۔ اور مسلمانون کے عہد اوّلین مین بھی مشہور تھا۔ لہٰذا اس تمام سامان عیش کے دینے کے لیے ایک یہودی کو منتخب کرنا حضرت شبلی کا ایک بڑا شاعرانہ کمال ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اِس خیال کو اُنھون نے نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

عبادت وریاضت کے ساتھ اتقا بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ چنانچہ اپنے اوپر عہد کر لیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھائین گے۔ پھر اس پر بے نفسی اور یکسوئی بھی بلا کی تھی کہ بعض افعال سے جو خلوص اور سچے جوش بے نفسی کا نتیجہ ہوتے جنون کی جھلک نمایان ہو جاتی۔ ایک دن نئے کپڑے پہنے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اُتار کے اُنھین آگ مین رکھ دیا۔ لوگون نے اعتراضاً کہا "یہ تو شرع کے بھی خلاف ہے"۔ فرمایا "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (تم اور جن چیزون کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہون گے) یعنی جس چیز کی طرف تیرا دل مائل ہو وہ بھی تیرے ساتھ آتش دوزخ مین جلائی جائے گی۔ اور اس وقت اس لباس کی طرف میرا دل مائل ہو گیا تھا"۔

بعض اوقات انھین خیالات سے جوش مین آکے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے۔ اور لوگ سمجھتے کہ مجنون ہو گئے ہین۔ ایک ایسے ہی اتفاق سے موقع پر کسی نے کہا "آپ نے اپنے سب کپڑے پھاڑ ڈالے ہین۔ اور عید سر پر آگئی۔ لوگ تو اُس دن

۱؎ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۳ ۲؎ رسالۂ قشیریہ۔ ۲۲۶ ۳؎ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۳

زیب و زینت کے ساتھ نئے نئے کپڑے پہن کے آئیں گے اور آپ کی یہ حالت ہوگی" فرمایا "فقیر کی زینت اُس کا فقر اور اُس فقر پر صبر کرنا ہے"۔ ایک مرتبہ جنید کو (غالباً کسی کے کہنے سننے سے) دو نئے کپڑے پہن لیے۔ مگر جب عیدگاہ میں گئے تو دیکھا کہ لباس کے امتیاز کا لحاظ کر کے لوگ ایک دوسرے کو سلام کر رہے ہیں۔ دنیا پرستی کی یہ تصویر دیکھتے ہی اِن کے دل میں کچھ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اپنے وہ دونوں کپڑے اُتار کے ایک تنور میں ڈال دیے۔ لوگوں نے پوچھا کہ "حضرت یہ کیا؟" جواب دیا "میرے دل میں آئی کہ جس چیز کی یہ لوگ پرستش کر رہے ہیں اُسے جلا دوں" اور اس کے بعد اپنا معمولی زرد و سیاہ فقیرانہ لباس پہن لیا۔

علیٰ ہذا القیاس ابو عبداللہ رازی جو نیشاپور میں اقامت گزیں ہو گئے تھے بیان کرتے ہیں کہ ابن انباری نے مجھے ایک صوف کا کپڑا پہنایا تھا۔ اور اُس کے بعد اتفاقاً میں نے شیخ ابوبکر شبلی کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی جو اُس صوف کے لباس پر موزوں اور اُس کے جوڑ کی تھی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہوتیں۔ انھوں نے اُس ٹوپی کو کچھ ایسی لالچ کی نگاہ سے دیکھا تھا کہ شبلی اِن کے دل کی ہوس پرستی کو سمجھ گئے۔ جب اُس صحبت سے جس میں تھے اُٹھ کے چلے تو ابو عبداللہ رازی کی طرف پھر کے دیکھا۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں یہ اُن کا معمول تھا کہ جب مجھے ساتھ لینا ہوتا تو اُٹھتے وقت میری طرف دیکھ لیا کرتے۔ چنانچہ یہ اشارہ پاتے ہی میں اُن کے پیچھے ہو لیا۔ اپنے گھر میں پہونچ کے مجھے بھی اندر بلا لیا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر مجھ سے کہا "اپنا یہ صوف کا کپڑا اُتارو"

لے طبقات الکبریٰ ۔۱۲۲۔۱۲۳۔

مین نے اُتار کے حوالے کیا تو اُسے لپیٹ کے رکھا۔ پھر اپنی وہ ٹوپی سر سے اُتار کے اُس پر رکھ دی۔ اور آگ منگوا کے دونون کو جلا دیا۔[عه]

کچھ اسی واقعہ پر منحصر نہین۔ معمول تھا کہ جب کبھی کوئی کپڑا صوف ہو یا پیراہن ٹوپی ہو یا پائجامہ نفس کو بھلا معلوم ہوتا تو اُسے لپیٹ کے آگ مین ڈال دیتے۔ جلا کے خاک کر دیتے۔ اور کہتے "جس چیز کی طرف نفس مائل ہو اور وہ ماسوی اللہ ہو اُس کا تلف کر دینا واجب ہے"۔ لوگون نے عرض کیا "تو حضرت آپ اُسے صدقہ کیون نہین کر دیتے؟" فرمایا "اس طرح اُس کی صورت و حالت تو باقی رہے گی۔ کبھی کسی دوسرے کے جسم پر دیکھ کے بھی دل کو رغبت ہوتی ہے۔ جلانے سے وہ جھٹ پٹ تلف ہو جاتا ہے۔ اور خدا کی طرف توجہ پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ختنہ کا حکم ہوا تو اُنھون نے فوراً کلہاڑی سے اپنا ختنہ کر ڈالا۔ لوگون نے کہا کہ آپ نے اتنا صبر کیون نہ کیا کہ اُسترا فراہم کر لیتے۔ تو جواب مین ارشاد فرمایا کہ "خدا کے حکم مین اتنی تاخیر کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی"۔[عه]

اُن کے لباس کی یہ وضع تھی کہ ابتداءً سیاہ کپڑے پہنا کرتے تھے۔ کیونکہ امرائے دولت مین تھے۔ اور بنی عباس کے دور مین خود خلفا اور اہل دربار بلکہ تمام امرائے مملکت کا لباس سیاہ رنگ کا ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب فقرا اور اہل باطن کے زمرے مین شامل ہوئے تو خرقہ پہننے لگے۔[عه] جو مشائخ باطن کی عام وضع تھی۔ اور غالباً اُس کا رنگ زرد ہو گا۔ جیسا کہ اشارۃً اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہی رنگ آج تک فقرا و مشائخ مین رواج پذیر ہے۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات مین ہم بیان کر چکے ہین کہ اُنھین خرقہ پہننے

عہ رسالۂ قشیریہ ۱۳۹۔ عہ طبقات الکبریٰ۔ ۱۳۲۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۱۔

سے انکار تھا لیکن تعجب ہے کہ اُن کے مرید خاص ابو بکر شبلی کو ہم وہی لباس پہنے دیکھتے ہین جسے جنید نے اپنے لیے ناپسند کیا تھا۔ بعض کوتہ اندیش حضرتِ جنید پر اعتراض کر بیٹھین گے کہ "آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگران مپسند"۔ لیکن اتنے بڑے بزرگ پر ایسی ذلیل نکتہ چینی کرنا گستاخی ہے۔

لباس کی بحث آج کل بھی اکثر چھڑا کرتی ہے۔ کیونکہ انقلاب زمانہ اور امارتِ معاشرت کا مذاق بدل جانے سے ہندوستان ہی نہین ساری دنیا کے مسلمانون مین انگریزی لباس روز بروز زیادہ رواج پذیر ہوتا جاتا ہے۔ کہنہ خیال بزرگ فرماتے ہین کہ "من تشبّہ بقومٍ فھو منھم۔ ان لوگون کا حشر بھی عیسائیون ہی کے ساتھ ہوگا"۔ نئے خیالات والے آزاد مشرب کہتے ہین کہ "اسلام ساری دنیا کے لیے ہے اُس نے کوئی وردی مخصوص نہین کی۔ اور یہ حدیث اگر صحیح ہو تو بھی معاملات دینی کے ساتھ مخصوص ہے نہ معاشرت سے۔ ورنہ خود آنحضرت صلعم نے جُبّۂ رومی پہنا ہے جو اُس دور کا انگریزی کوٹ تھا"۔

سچ یہ ہے کہ اب ان تنگ خیالیون کا زمانہ نہین رہا۔ ایسے امور کو زیادہ تر تعلق انسان کی نیت اور اُس کے مقصد و غرض سے ہوا کرتا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر گروہ کی ایک وضع ہوتی ہے۔ اور اُس کا کوئی نہ کوئی زی و لباس ضرور ہوا کرتا ہے۔ اُس زی مین ہونا بغیر زبان سے کہے بتا دیا کرتا ہے کہ یہ شخص اُس گروہ اور طبقہ سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس کی ضرورت دین کو نہین بلکہ معاشرت کو اور دُنیوی سوسائٹی کو ہے۔ تاکہ صورت دیکھتے ہی ہر شخص کے ساتھ اُس کی شان و حالت کے مناسب برتاؤ کیا جا سکے۔ لیکن علما و مشائخ چونکہ قوم کے مقتدا اور سرتاج ہوا کرتے ہین لہذا اُن مین اکثر

اسی لباس کے پہلو سے ریاکاری و نمود اور تبختر و خیلاء (نخوت) کی شان پیدا ہو جاتی ہے جس سبب سے عالمانہ اور درویشانہ زی مین دو جہتین پیدا ہو گئی ہین یعنی ممکن ہے کہ کوئی ریاکاری و خیلاء سے بچنے کے خیال سے اُسے ترک کر دے۔ اور کوئی یہ خیال کرے کہ مین جس گروہ کی وضع اختیار کرون گا۔ اسی گروہ کے خصائل و عادات اختیار کرنے کا شوق دل مین پیدا ہو گا اُسے اختیار کر لے۔ اگرچہ دونون کے مذاق مین اختلاف اور بون بعید ہے مگر دونون شخص اپنی جگہ پر نیک نیت ہین اور کمال پاکبازی کا ثبوت دے رہے ہین۔

حضرت جنید اس قدر مشہور و معروف تھے کہ ضرورت نہ تھی فقیرانہ لباس کو ذریعۂ تعارف قرار دین۔ بخلاف اس کے اُن کے مریدین کے لیے فقیرانہ وضع کا قائم رکھنا لازمی تھا کیونکہ اور لوگ درکنار بعض کو شاید بعض اوقات خود بھی بھول جاتا کہ ہم درویش ہین یا کوئی دنیادار۔ رہا یہ کہ حضرت شبلی نے ارادت کے مراحل طے کر کے جب ارشاد کا درجہ حاصل کر لیا تو اُس وقت بھی اس لباس سے کیون نہ کنارہ کشی کی اِس کا فیصلہ مناسب ہو گا کہ ہم حضرت شبلی ہی کے مذاق وخیال پر چھوڑ دین۔ اُنھین اپنی بے نفس طبیعت پر اطمینان تھا کہ اُن کا خرقہ کبھی دلق سالوس نہ بنے گا۔ اور کبھی کبر و نخوت مین نہ مبتلا ہون گے۔ اور اپنے فقیرانہ مشاغل کا شوق قائم رکھنے کے لیے وہ مناسب نہین سمجھتے تھے کہ اُس مقدس گروہ کے زی و لباس کو چھوڑ دین۔

اسی طرح آج کل کے کوٹ پتلون پہننے والون کی نسبت بھی ہمین کوئی عام رائے نہ قائم کر دینی چاہیے کیونکہ ان مین بھی مختلف مذاق و مقاصد کے لوگ ہین۔ اور ان کے لیے بھی مختلف جہتین پیدا ہو گئی ہین۔ بعض اسے آج کل کی وضع امارت تصور کرتے ہین۔

بعض اس مین پھر تیلاپن پا اور قسم کی معاشرتی سہولتین اور خوبیان پاتے ہین بعض بجاے عیسائیون کے اسے ترکون کا لباس خیال کر کے اختیار کرتے ہین۔ اور شاذو نادر ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا جو محض اس لیے انگریزی لباس پہنتا ہو کہ عیسائیون کا لباس ہے۔ اور سب سے بڑی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو دینی مسئلہ بنانا ہی غلطی ہے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہین یہ ایک معاشرت و سوسائٹی کا مسئلہ ہے۔ اور دنیوی امتیاز و تعارف کے لیے ہے نہ ثواب و عقاب حاصل کرنیکے لیے۔

حضرت شبلی اگرچہ عموماً زرد رنگ کا لباس پہنا کرتے تھے مگر کبھی کبھی سیاہ لباس بھی پہن لیا کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عید کے دن سیاہ کپڑے پہنے وجد و بیخودی کی حالت مین نظر آئے۔ لوگون نے پوچھا "حضرت یہ سیاہ کپڑے کیون؟" فرمایا "خلقت کی مصیبت کے غم مین اس لیے کہ خدا سے غافل ہے"[۵]

حضرت شبلی گو خود خرقہ پوش تھے مگر نمائشی خرقہ پہننے والون کی نسبت اُن کے جو خیالات تھے اُن کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایک شخص نے اُن کی خدمت مین حاضر ہو کے عرض کیا کہ "آپ کے اصحاب اور مریدون کی ایک جماعت آئی ہے۔ اور وہ لوگ جامع مسجد مین ٹھہرے ہوئے ہین"۔ آپ اُن سے ملنے کو تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سب کے سب خرقہ پہنے ہوئے ہین۔ دیکھتے ہی فرمایا "امّا الخیام فانّہا کخیامہم وأری نساء الحیّ غیر نسائہا" (خیمے تو ہان ویسے ہی ہین مگر قبیلہ کی عورتین دوسری معلوم ہوتی ہین) یعنی لباس تو بے شک تارک الدنیا بزرگون کا سا ہے مگر پہنے والے ویسے نہین بلکہ نفس پرست ہین۔

---

۵ تذکرۃ الاولیا۔ ۴۹۱ ۶ تلبیس ابلیس (تلبیس علی الصوفیۃ فی لباسہم)

آپ کا معمول تھا کہ بغداد مین جامع منصور کے اندر فقیہ ابو عمران کے حلقۂ درس کے برابر بیٹھ کے خلق اللہ اور طالبان حقیقت کو روحانی درس دیا کرتے۔ اور گرد مریدون کا حلقہ ہوتا۔[1] آپ کے خادم ابو بکر اصفہانی بھی اِس حلقۂ فیض مین شریک رہا کرتے۔ اُنھین کا بیان ہے کہ ابن سمعون جو بعد کے زمانے مین ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے ولی کامل ہوئے ہین اور "الناطق بالحق" کے محترم لقب سے مشہور رہتے اُن کا بچپن کا زمانہ تھا۔ ایک نہایت ہی پُر تکلف ٹوپی بانکپن کی وضع سے پہنے ہوئے بچون کی طرح وہ مسجد مین داخل ہوئے شبلی کے قریب آئے۔ اور بغیر اِس کے کہ اُنھین سلام بھی کرین آگے بڑھ گئے۔ وہ پیٹھ پھیرے جا رہے تھے کہ شبلی نے اُن کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا "ابو بکر جانتے بھی ہو کہ اِس بچے مین خدا کے کیا کیا ذخیرے ہین؟"[2]

یہان حضرت شبلی کی فصیح البیانی اکثر اوقات ابو عمران کے حلقۂ درس کے طلبہ کو خاموش کر دیا کرتی۔ اور ان کا وعظ سُننے کے شوق مین وہ اپنا درس بھول جایا کرتے۔ ایک دن ابو عمران کے طلبہ نے اپنے زعم مین خیال کیا کہ کوئی فقہی مسئلہ پوچھ کے ہم شبلی کو خاموش کر دین گے۔ اور مجمع عام مین شبلی کی سُبکی ہو گی۔ چنانچہ اُنھون نے آپ سے مسئلہ حیض پوچھا۔ اُنھون نے اِس مسئلہ مین علمائے سلف اور مجتہدین کے اقوال بیان کرنا شروع کر دیے۔ پھر اُن کے باہمی اختلافات بتائے غرض ایسی سچی اور پُر اثر تقریر کی کہ تمام سامعین مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ابو عمران نے اُٹھ کے شبلی کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا "ابو بکر مین نے اِس مسئلے مین بارہ نئی باتین تم سے حاصل کین جن کو اِس سے پہلے کبھی نہین سُنا تھا۔

---

[1] رسالۂ قشیریہ۔ ۳۵ [2] نفحات الانس۔ ۲۲۱۔

تم نے جو کچھ بیان کیا اُس مین سے صرف تین امر مجھے معلوم تھے۔[عہ]

یہی صحبت تھی جس مین ممبر پر بیٹھ کے وہ اُن رموز عرفان اور باریک حکم وحدت کو بیان کیا کرتے جن کی نسبت حضرت جنید کو خاص طور پر اخفاء کا اہتمام رہتا اور بار بار حضرت شبلی سے کہتے کہ "مجوبون پر نہ ظاہر کیا کرو" آپ اس صحبت مین ہر قسم کی ایسی تعلیم دیتے اور مریدون کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس قدر مستعد رہتے تھے کہ کبھی اگر ایسا اتفاق ہو جاتا کہ صحبت ذرا سست پڑ جاتی۔ اور کوئی طالب حقیقت کوئی بات نہ پوچھتا تو جوش مین آ کے کہہ اُٹھتے "ووقع القول علیھم بما ظلموا فھم لا ینطقون"[عہ] (اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن کی نسبت خدا کا جو کہنا تھا پورا ہوا۔ لہذا اُن کے مُنہ سے بات نہین نکلتی)

زندگی مین بارہا بیمار ہوئے ہون گے۔ مگر صرف دو بار ایسا اتفاق ہوا کہ لوگ اُنھین بیمارستان یعنی دارالشفا مین اُٹھا لے گئے[عہ] لیکن وہان بھی اُن کی ولایت وقناعت اور راضی برضائے الٰہی ہونے کی شان قائم رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک بار طبیب نے کہا "پرہیز کیجیے" کہا "کس چیز سے؟ جو قسمت مین ہے اُس سے یا اُس سے جو نہین ہے؟ جو چیز تقدیر مین لکھی ہے وہ ہر طرح پہونچے ہی گی۔ رہی وہ جو نہین ہے اُسے مین چاہون بھی تو نہین مل سکتی"[عہ]

سنہ ۳۰۱ھ مین المقتدر باللہ نے علی بن عیسیٰ کو خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا تھا جس نے ۳۱۴ھ مین دولت عباسیہ کی وزارت کا چارج لیا اور پبلک نفع رسانی

عہ رسالۂ قشیریہ - ۵۳۴ - مرآۃ الجنان یافعی - حالات ۳۳۴ھ عہ رسالۂ قشیریہ - ۲۷

عہ نفحات الانس - ۱۸۷ عہ تذکرۃ الاولیا - ۶۹۶

کے لیے بہت سے کام کیے مسجدین تعمیر کرائین پرانی مسجدون کی مرمت کرائی۔ اُن مین فرش اور روشنی وغیرہ کا انتظام کیا۔ اماموں قاریون اور موذنون کی تنخواہین مقرر کین۔ جابجا دارالشفائین قائم کرائین۔ اُن پر نامی گرامی اطبا مقرر کیے۔ اور دوا دارو وغیرہ کے علاوہ مریضون کے آرام رہنے کا بھی بندوبست کیا۔ جہان یہ سب انتظامات ہوئے۔ وہان خدا کی قدرت کہ اسی سال سارے عراق مین امراض دمویہ مین لوگ اسقدر مبتلا ہوئے کہ ہزارہا خلقت مرگئی حتی کہ بہت سے مکانون کے دروازے بند ہوگئے۔ کیونکہ کوئی رہنے والا ہی نہ رہا تھا۔[عہ]

انھین دنون اتفاقًا ابوبکر شبلی بھی سخت بیمار ہوئے۔ اور دارالشفا مین لا کے رکھے گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ آپ کے علم و فضل اور کمال باطنی کا معتقد تھا اُسے خبر ہوئی تو فورًا خلیفۂ وقت المقتدر باللہ کو اطلاع کی۔ خلیفہ نے بھی شبلی کی بیماری کو اس قدر امر اہم تصور کیا کہ اپنے طبیب خاص کو جو افسر الاطباء ہونے کے شرف سے ممتاز اور ملت عیسوی کا پیرو تھا آپ کے علاج پر مامور کیا۔ اُس نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ اور خدا نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔ صحت کے بعد اُس دربار خلافت کے محترم طبیب نے ایک دن شبلی سے کہا "خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے علاج کے لیے اپنے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ دینے کی ضرورت ہے تو مین اس مین بھی تامل نہ کرتا۔ بلکہ خوشی سے گوارا کر لیتا۔" سن کے شبلی نے جواب دیا "مگر میری دوا کچھ اور ہی ہے۔" حکیم صاحب نے پوچھا "وہ کیا؟" فرمایا "یہ کہ اپنی صلیب توڑ کے مسلمان ہو جاؤ۔" طبیب اِن کے کمالات کا اس قدر معتقد ہو چکا تھا کہ اِس حکم کی تعمیل مین ذرا بھی تامل نہ کیا اور بلا تامل پیروان دین

عہ ابن اثیر جلد ہشتم - ۲۳ - ۲۷ -

مجھ دی مین داخل ہوگیا۔ جب یہ خبر خلیفۂ المقتدر باللہ کو پہونچی تو سُن کے بولا "ہمنے مریض کے پاس طبیب کو بھیجا تھا یہ نہین سمجھے تھے کہ طبیب کے پاس مریض کو بھیج رہے ہین"۔[1]

خدا جانے یہ اِسی زمانے کا واقعہ ہے یا کسی اور زمانے کا کہ بیمار ہوئے۔ اور دارالشفا مین جا کر رہے۔ وزیر سلطنت (اُن دنون جو کوئی ہو) عیادت کو آیا۔ اُس نے اِس سے پیشتر اکثر اِن کو یہ کہتے سُنا تھا کہ "حسین صدیق کا معجزہ نہ ہو وہ جھوٹا ہے" اب اِس موقع پر اُس نے باتون باتون مین آپ کا یہ مقولہ یاد دلا کے کہا "ہان یہ تو فرمائیے کہ آپ کا وہ معجزہ کیا ہوا؟" سنتے ہی جوش دینی کے لہجے مین بولے "میرا معجزہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے اوامر و نواہی مین اُس کے حکم کی پیروی کردن"[2]۔ اور سچ یہ ہے کہ یہی ہر دین دار کا معجزہ ہونا چاہیے۔ اِس واقعہ مین معجزہ لغوی معنون مین "کرامت" کے محل پر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ متاخرین کی اصطلاح شرع مین معجزہ صرف اُس خارق عادت واقعہ کو کہتے ہین جو کسی پیغمبر سے ظاہر ہو۔

بیماری اور دارالشفا مین پڑے ہونے کے زمانے مین بھی آپ کے جذبات دلی اکثر نظر آجاتے۔ اور جوش وحدت کی بیخودیان عجیب شان دکھا دیتین۔ چنانچہ دارالشفا مین پڑے ہوئے تھے کہ چند لوگ ملنے کو آئے۔ آپ نے اُن سے پوچھا "تم کون لوگ ہو؟" انھون نے عرض کیا "ارے! آپ نے پہچانا نہین! ہم آپ کے دوست اور احباب ہین۔ بیمار سُنا تھا۔ عیادت کو حاضر ہوئے ہین"۔ سنتے ہی آپ پر جذبہ سوار ہوا تو پتھر پھینک پھینک کے انھین مارنا شروع کیا۔ اور وہ سب بدحواس بھاگے۔ سب اُن سے چلا کے کہا "جھوٹو! میرے دوست ہو تو میری مصیبت پر صبر کرو"[3]

---

[1] روض الریاحین یافعی ۱۱۴-۱۱۵ [2] طبقات الکبریٰ شعرانی ۱۳۲ [3] رسالہ قشیریہ ۱۲-۱۵

یہ بے صبری کیسی کہ یہاں دوڑے آئے ہو؟"

یہ جوشِ جنون کی سی شان آپ پر زیادہ تر وفورِ عبادت اور جذباتِ وحدت مین محو ہو جانے کے سبب سے طاری رہا کرتی تھی۔ اور بہت کچھ دخل اس مین اِس امر کو بھی تھا کہ متعدد مجنونون کو دیکھا جن کی باتون مین آپ کو نورِ حق کا جلوہ نظر آ گیا۔ خود فرماتے ہین کہ ایک دن بہلول (جن کا نام ہمارے فارسی لٹریچر مین بہت مشہور ہے اور باوجود مجنون ہونے کے بہلول دانا کہے جاتے ہین) میرے قریب سے ہو کے گذرے۔ ایک نرکل پیرون کے نیچے تھا جس پر بچون کی طرح سوار تھے۔ ہاتھ مین ایک گُرز تھا اور مقام جبانہ کی طرف جا رہے تھے۔ مین نے پوچھا "بہلول کدھر کا ارادہ ہے؟" بولے "اللہ جل شانہ کے سامنے جائزہ دینے جا رہا ہون۔" یہ کہہ کے چلے گئے۔ اور مین خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہون کہ پلٹے چلے آتے ہین۔ اور اِس حالت سے کہ وہ نرکل جو اُن کا گھوڑا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ اور دونون آنکھین روتے روتے سُرخ ہو گئی ہین۔ مین نے پوچھا "کہو کیا گذری؟" جواب دیا "اُس کے سامنے مین جا کے کھڑا ہوا۔ امید تھی کہ خادمون مین میرا نام لکھ جائے گا۔ لیکن جیسے ہی مجھے پہچانا نکلوا دیا۔" یہ کہہ کے بہلول تو چلے گئے۔ مگر اُن کے دل پر ایسا اثر نہین چھوڑ گئے تھے کہ زندگی بھر مٹ سکتا۔

علیٰ ہٰذا القیاس فرماتے ہین ایک جمعہ کو جامع رُصافہ کے پاس مین نے ایک مجنون کو دیکھا کہ ننگا کھڑا ہے اور کہتا ہے "مین اللہ میان کا سڑی ہون!" مین نے کہا "اللہ میان کے سڑی ہو تو پھر اُس کی مسجد مین کیون نہین آتے کہ کپڑے پہن کے

عہ۵ روض الریاحین یافعی ۔ ۹۰ ۔ ۱۵ ۔

نماز پڑھو" میری یہ درخواست سن کے اس نے یہ دو شعر پڑھے۔

یَقُولُونَ زُرْنَا وَاقْضِ وَاجِبَ حَقِّنَا ۔ وَقَدْ اَسْقَطَتْ حَالِی حُقُوقَهُمْ عَنِّی

کہتے ہیں کہ ہماری زیارت کو آ اور ہمارے مفروضہ حقوق ادا کر۔ حالانکہ میری حالت ایسی ہو رہی ہے جس نے ان کے تمام حقوق میرے اوپر سے ساقط کر دیے۔

اِذَا اَبْصَرُوا حَالِی وَلَمْ یَانِفُوا لَهَا ۔ وَلَمْ یَانِفُوا مِنْهَا اَنِفْتُ لَهُمْ مِنِّی

جب انھوں نے میری حالت دیکھی اور اس کی پروا نہ کی اور اس سے تعلق نہ رکھا تو میں نے بھی انھیں اپنی طرف سے بے تعلق کر دیا۔

خود ہی ایک دفعہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک مجنون چلا جاتا ہے اور بازار کے لڑکے اس کے پیچھے ہیں جو اسے پھینک پھینک کے پتھر مار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پتھروں سے اس غریب کا سر پھٹ گیا اور سارا منہ خون آلود ہے۔ یہ حالت دیکھ کے میں نے لڑکوں کو جھڑکا اور ڈانٹا کہ "کیوں اس غریب کو ستاتے ہو؟" لڑکوں نے کہا "جناب آپ اس میں دخل نہ دیں۔ ہم اسے بے مارے نہ رہیں گے۔ یہ کمبخت تو کافر ہے!" میں نے کہا "تم نے کیسے جانا کہ یہ کافر ہے؟" سب بولے "جناب اس کے دل میں بسی ہوئی ہے کہ میں خدا سے ملتا ہوں۔ اور اس سے باتیں کرتا ہوں"۔ تب میں نے کہا "اچھا ذرا ٹھہرو۔ میں اس سے دو دو باتیں کر لوں"۔ پھر میں اس مجنون کے قریب گیا تو دیکھا کہ آپ ہی آپ باتیں کرتا اور ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے "بس یہ تو نے خوب کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پر

عہ ۵ ابن خلکان۔ ۳۵۔ و مرآۃ الجنان حالات ۳۳۳ھ

مسلّط کر دیا۔ تاکہ ستائیں"۔ میں نے کہا "تم نے سنا بھی کہ لڑکے کیا کہتے ہیں؟" فوراً میری طرف دیکھ کے پہلے کہا "این الشبلی!" پھر پوچھا "کیا کہتے ہیں؟" میں نے کہا کہتے ہیں کہ تم اپنے گمان میں خدا کو دیکھتے اور اُس سے باتیں کرتے ہو؟" یہ الفاظ سنتے ہی اُسنے جوش وخروش سے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا شبلی قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے اپنی محبت میں مبتلا کیا۔ اور پھر اپنے قرب وبُعد کے درمیان میں اٹکا رکھا ہے۔ ایک چشم زدن کے لیے بھی اگر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائے تو میں صدمۂ فراق سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤں" پھر یہ شعر پڑھا۔

خیالک فی عینی وذکرک فی فمی ومثواک فی قلبی فاین تغیب

(تیرا خیال میری آنکھوں میں ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تیرا مقام میرے دل میں ہے۔ پھر تو کہاں چھپ کے جائے گا؟) اور یہی شعر پڑھتا ہوا بھاگا چلا گیا۔[۵] اگر غور سے دیکھیے تو یہ واقعات بھولنے والے نہ تھے۔ اور ایک شخص کو جس کا دل حضرت ابوبکر شبلی کا ایسا ہو خدا جانے کیا بنا دے سکتے تھے۔ ان سب پر طرہ یہ ہوا کہ انھیں دنوں حسین بن منصور حلاج کا واقعہ پیش آیا۔ جو انھیں کے مرشد حضرت جنید کے مرید۔ جذبات میں ڈوبے ہوئے۔ اور ایسے مخفی الحال شخص تھے کہ خدا جانے کیا تھے اور کس مذاق کے تھے۔ صوفیۂ متاخرین اور تقریباً کل شعرائے فارس نے انھیں ایک ولی کامل۔ اعلیٰ درجے کا صوفی صافی۔ جذبات وحدت میں غرق۔ اور فنائیت کے درجے پر پہونچا ہوا شیخ باطن تسلیم کر لیا ہے۔ گو اُن کی نسبت بڑے بڑے اختلافات ہیں مگر صوفیۂ متاخرین کا دعوی ہے کہ اُنھوں نے جوش میں آ کے نعرہ

[۵] روض الریاحین یافعی۔ ۵۲۔

"انا الحق" بلند کیا یہ خلاف شرع شریف دعوے اگرچہ اہل ذوق کے گوش باطنی کو ناگوار ہوتے کے عوض سچا معلوم ہوا مگر علمائے خلیفہ المکتفی باللہ کے دربار مین شکایت پیش کی جس کے حکم سے اس عہد کے علما اور قاضیون نے قتل کا فتوی دیا۔ اور حسین بن منصور مصلوب ہونے کے بعد قتل کیے گئے۔

ظاہر ہے کہ خود اپنے ہی مرشد کے ایک مرید اور اپنے ہی مکتب عرفان کے ایک طالب حق کو ایسی حالت مین مبتلا دیکھ کے آپ کے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟ اور کیسے کیسے خیالات دل مین گذرے ہون گے؟ تاہم اتنی احتیاط ضرور تھی کہ جب منصور نے آپ کو اپنے ہم خیال وہم عقیدہ لوگون مین بتایا تو آپ نے اگرچہ اس خیال وعقیدہ سے اپنی برائت ظاہر کی مگر حسین بن منصور حلاج کے قتل کا فتوی دینے سے بھی ہاتھ روکا۔ اور جو کچھ فرمایا صرف اس قدر تھا کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہون۔ روکا جائے۔[عـ۵] جس امر مین کہ ابوالعباس عطا۔ ابوعبداللہ خفیف ابوالقاسم نصرآبادی اور ابوالعباس سریج کے ایسے نامی گرامی بزرگان زمانہ نے بھی آپ سے اتفاق کیا۔ بلکہ متاخرین کی ایک روایت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شبلی نے چاہے صریح الفاظ مین حلاج کے اقوال کی تصدیق نہ کی ہو مگر ضمناً اُن کی حقیت تسلیم کرلی۔ اس لیے کہ حلاج جب مصلوب کیے گئے تو شبلی سولی کے نیچے جا کے کھڑے ہوئے۔ اور اُن سے کہا۔ "اولم ننھک عن العالمین" (یعنی اہل عالم پر آشکارا کرنے سے ہم نے تمھین نہین منع کیا تھا؟) جس قاضی نے قتل کا فتوی دیا تھا سُن کے بولا "وہ (حلاج) تو صرف پیغمبری ہی کا دعوی کر رہا تھا مگر یہ (شبلی) خدائی کا بھی دعوی کر رہے ہین۔"

عـ۵ تلبیس ابلیس۔ باب۱۰ فصل ۵۔

شبلی نے اس کے جواب میں کہا "جو یہ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا ہوں مگر فرق یہ ہے کہ دیوانگی نے مجھے بچا لیا۔ اور عقل نے انھیں تباہ کیا۔"[۵]

لیکن ہمیں مذکورۂ بالا واقعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ ہمدانی کی یہ روایت زیادہ قابل وثوق ہے کہ "حسین بن منصور کے قتل کے وقت جناب شبلی نے فاطمہ نیشاپوریہ نام ایک عورت کو اُن کے پاس بھیجا۔ اور اُس کے ذریعہ سے چند باتیں دریافت کرائیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی کہ "تصوف کیا چیز ہے؟" اس کا جواب الحلاج نے یہ دیا کہ "جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ کیونکہ میں نے بجز اے لم یزل کبھی ایک گھڑی کے لیے بھی لذت والم میں امتیاز نہیں کیا۔"[۵]

حضرت شبلی کو سب سے پہلے قناعت کا سبق دیا گیا تھا اور اسی وجہ سے آپ میں دُنیا طلبی نام کو بھی نہ تھی۔ مگر دُنیا بُری چیز ہے۔ ایک آدھ مرتبہ کسی دُنیا دار سے کچھ درخواست کرنے پر مجبور ہونا ہی پڑا۔

چنانچہ ایک امیر کے پاس آدمی بھیج کے کچھ منگوایا تو اُس نے اعتراضاً کہلا بھیجا "جس سے آخرت وعقبیٰ کے طالب ہوا کرتے ہو اُسی سے یہ بھی مانگو۔" یوں تو شیخ شبلی بہت ہی بے نفس بزرگ تھے مگر زہد و تقویٰ اور ریاضت وعبادت نے انھیں توحید وخدا پرستی کے بارے میں بڑا ہی صاحب جلال بزرگ بنا دیا تھا۔ جواب میں اُسکے پاس کہلا بھیجا کہ "تو ذلیل ہے اور دُنیا بھی ذلیل ہے۔ اس کے مقابل خدا شریف ہے اور آخرت بھی شریف ہے۔ لہذا میں ذلیل کو ذلیل سے اور شریف کو شریف سے

[۵] نفحات الانس۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ [۵] لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ از ابتدا تا عہد فردوسی مصنفہ ایڈورڈ براؤن صفحہ ۴۳۴۔

مانگتا ہون عـہ" گو اس جواب کے ایک ایک لفظ سے غیظ و غضب اور جوش و جلال کی چنگاریان نکل رہی ہین۔ مگر کس قدر سچی بات کہی ہے۔

ایسا نہ تھا کہ آپ صرف اپنے مدرسۂ باطن کے طلبہ اور حلقہ نشینان درسگاہ ارادت کی رہبری و مقتدائی اور تعلیم و تربیت ہی مین مشغول و مصروف رہتے ہون اور دیگر ائمۂ باطن کی تعلیمون اور اُن کے حالات سے بے پرواہو جائین۔ یہ سچ ہے کہ ایک عابد و مرتاض بزرگ کا کام یہ ہے کہ جس سے لو لگائی اُس کے سوا کل چیزون کا خیال صفحۂ دل سے مٹا دے۔ لیکن چونکہ آپ امام اہل باطن تھے اور اپنے نفس کی تکمیل کے سوا دوسرون کے کمال کی فکر مین بھی رہا کرتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ دیگر مشائخ باطن اور معاصر علمائے طریقت کے حالات و تعلیمات کی تنقید بھی فرماتے رہین۔

اس بارۂ خاص مین آپ کی سرگرمی اور جستجو کا اس سے پتہ چلتا ہو کہ جب آپ نے ابو علی ثقفی کے کمالات باطن کی کیفیت سُنی جو خراسان کے شہر نیشاپور مین گوشہ گیر تھے اور بلاد مشرق کے شیخ طریقت بنے ہوئے تھے تو اپنے حلقۂ ارادت کے ایک معتمد و صاحب علم شخص کو نیشاپور بھیجا اور حکم دیا کہ "پورے ایک سال تک ہر صبح و شام اُنکی صحبت مین شریک ہو، اُنکی زبان سے جتنی باتین سُنو اُن کو بقید وقت لکھو۔ اور پھر ملفوظات کے اس ذخیرہ کو میرے سامنے لا کے پیش کرو۔" وہ شخص گیا۔ اور اس طرح خاموشی کے ساتھ شیخ ابو علی ثقفی کی پند و نصائح کو قلمبند کرتا رہا کہ نیشاپور مین کسی کو گمان بھی نہین گذرا کہ بغداد کے شہنشاہ معرفت کا کوئی جاسوس خراسان کے اس روحانی دربار مین موجود ہے۔ یہ ملفوظات اُس نے اس ترتیب سے جمع کیے

عـہ عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ ۱۹۳۔

دو جلدین کرین - ایک مین صبح کے وقت کی نقلیین تھین اور ایک مین شام کے
وقت کی ختم سال پر جب وہ مریدان ملفوظات کو لے کے حاضر ہوا تو آپنے دونون
جلدنکولے کے خوض و تعمق کی نظر سے ملاحظہ فرمایا - اور غور کامل کے بعد فرمایا " اِس
شیخ کی صبح کی باتین تو علم حقائق کے رموز ہی نہین معجزات ہین - مگر رات کا کلام ناقص
و فاسد ہے - اور حقیقت معرفت سے دور - اِس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہی کہ شب کو وُہ
اپنے ستری مشاغل مین مصروف رہتا ہے - اور صبح کو ایسا پاکیاطن اُٹھتا ہے کہ
کلام مین یہ اعلیٰ درجے کی خوبیان نظر آتی ہین " یہ کہہ کے اپنے اُس شاگرد سے پوچھا
تم نے شیخ کے گھر مین جاکے فرش ظروف اور سامان خانہ داری کو بھی کبھی دیکھا تھا
وہان اُس قسم کی چیزین ہین جنھین لوگ زینت دنیا کہتے ہین ؟ " عرض کیا " جی ہان
مین نے وہان فرش دیکھا - اور اکثر ایک دمشقی طشت کو دیکھا کرتا جو مکان کے ایک
کونے مین رکھا رہا کرتا تھا " اتنا سنتے ہی آپ جوش و خروش سے چلا اُٹھے - اور فرمایا
بس یہی چیز روز شام کو اُن کی حالت بدل دیا کرتی ہے "

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ باوجود مشاغل باطنی اور خدا شناسی کے جذب و جوش
کے آپ معاصر مشائخ باطن کے حالات سے کس قدر واقف رہا کرتے تھے -
آپ کی حالت پر غور کیا جائے تو اول سے آخر تک خوف الٰہی کے جذبات طاری
نظر آتے ہین - اور خود ہی فرماتے تھے " کبھی ایسا اتفاق نہین ہوا کہ مجھ پر خوف طاری
ہوا ہو اور ساتھ ہی حکمت و عبرت کے دروازے میرے دل پر نہ کُھل گئے ہون "

آپ کے فضائل و عادات سے حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بھی

طبقات الشافعیہ سبکی جلد دوم - ۱۶۲ - ۱۶۳ ؎ تذکرۃ الاولیا - ۳۰۲

اپنی بے مثل وبے نظیر اخلاقی وروحانی کتاب بوستان مین فائدہ اُٹھایا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ آپ نے ایک دن گیہون کا ایک بوجھ پیٹھ پر لادکے بازار سے گاؤن مین پہونچایا۔ وہان پہونچ کے نظر آیا کہ گیہون مین ایک چونٹی بھی چلی آئی ہے۔ رات کو سوئے تو نیند نہ آئی کہ مین تو اپنی خوابگاہ مین ہون اور وہ چونٹی میرے سبب سے بے خانمان ہو گئی۔ آخر اُسے گیہون مین سے ڈھونڈھ کے نکالا اور جہان سے لائے تھے وہین پہونچا آئے تب چین پڑا۔ چنانچہ اسی واقعہ کو شیخ سعدی نے اِن دلکش الفاظ مین نظم فرمایا ہے:۔

یکے سیرتِ نیکمردان شنو	اگر نیکمردی وپاکیزہ رَو
کہ شبلی زحانوتِ گندم فروش	بدِہ برد انبانِ گندم بدوش
نگہ کرد مورے درِ غلہ دید	کہ سرگشتہ از ہرطرف میدوید
زرحمت برو شب نیارست خفت	بماوای خود بازش آورد و گفت
مروّت نباشد کہ این مور ریش	پراگندہ گردانم از جای خویش

محویت۔ اور ذوق وشوق

اسلام نے اِن گذشتہ تیرہ سو برس مین بڑے بڑے باخدا اور برگزیدۂ بارگاہ لم یزلی پیدا کیے جن مین صحابۂ کبار اور بعد کے طبقون مین ابوبکر شبلی سے بہت زیادہ مرتبہ کے خداشناس وخدارسیدہ گزر گئے ہین لیکن اس جوش لقا اور ایسے ذوق و شوق کے لوگ کم نظر آتے ہین۔ فرمایا کرتے تھے "چالیس برس سے تمنا ہے کہ

سے بوستان۔ باب دوم۔ ۱۵۴۔

ایک گھڑی کے لیے خدا کو جانوں اور پہچانوں"۔ اسی جوش کو دوسرے الفاظ میں یوں آشکارا فرماتے ہیں "اس آرزو میں عمر گذر گئی کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی خلوت نصیب ہو کہ شبلی درمیان میں نہ رہے"[1]۔

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ابوبکر شبلی سے ملنے کے لیے اُنکے گھر پر گیا۔ تو دیکھا کہ بار بار چلاتے ہیں اور کہتے ہیں "جسے قرب کی عادت ہو اُسے بُعد میں صبر نہیں آتا۔ اور جیسے تیری محبت ہے اُس میں تیرے ہجر کی برداشت نہیں۔ اگر تجھے آنکھ نہ دیکھے تو دل دیکھ رہا ہے"[2]۔

جب کوئی فقیر ملنے کو آتا تو پوچھتے "تمھارے پاس کچھ خبر یا کچھ پتہ ہے؟" پھر مجنون عامری کا یہ مشہور شعر پڑھتے۔

أسائل عن لیلیٰ فهل من مخبر　　یخبرنا علما بها این تنزل

(لیلیٰ کو پوچھتے ہو؟ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کے ٹھہری ہے؟) اس کے بعد آپ ہی فرماتے "قسم ہے تیرے عزت و جلال کی خود تیرے سوا دونوں جہان میں کوئی بتانے والا نہیں"[3]۔

سچے خدا طلب اور خدا پرست کی شان بتاتے ہیں کہ "اگر میں حق کا پورا پورا مرتبہ جان جاتا تو پھر کسی ماسوی اللہ سے نہ ڈرتا"[4]۔ اور سچ یہ ہے کہ سچے موحد سے زیادہ آزاد و بیخوف شخص دنیا کے پردے پر نہیں ہو سکتا۔ یہی آزادی اور جرأت و شجاعت تھی جو توحید نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پیدا کر دی تھی۔ ایک ملحد و بے دین

[1] تذکرۃ الاولیا - ۲۰۳ [2] مرآۃ الجنان یافعی - بیان ۳۳۴ھ - [3] طبقات الکبریٰ - ۱۲۴ -
[4] تذکرۃ الاولیا - ۲۰۴ -

شخص ہرگز اتنا آزاد و جری نہیں ہو سکتا جتنا کہ ایک سچا موحد و خدا پرست ہوتا ہے۔
جوش توحید سے بیتاب ہو کے کبھی کبھی آپ کہہ اُٹھا کرتے "جب تک یہ نہ ہو کہ روے زمین پر خدا کا کوئی اور یاد کرنے والا نہ باقی رہے مجھے چین نہ آئے گا" بعض بزرگان صوفیہ نے حضرت شبلی کے اس قول کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ "جب تک میں دربار شہود میں نہیں پہونچ لیتا مجھے چین نہیں آتا۔ کیونکہ اُس مقام پر ذکر نہیں ہے"[۵] لیکن سیدھی سادی یہ بات ہے کہ عشق الٰہی نے ایک جوش رقابت پیدا کر دیا ہے۔ اور ذکر الٰہی کی دُھن میں محو ہو جانے کی آرزو یہ تمنا کر رہی ہے کہ بس میری ہی آواز میرے کان میں آ رہی ہو اور کسی کی نہیں۔ میں ہی ہوں اور سارا عرصۂ ہستی فنا ہو۔
درگاہ رب العزت میں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ "خداوندا۔ اگر تو آسمان کو میری گردن کا طوق۔ زمین کو میرے پاؤں کی بیڑی۔ اور سارے جہان کو میرے خون کا پیاسا بنا دے تو بھی میں تجھ سے رُوگردان نہ ہوں گا" اس کے بعد محویت کے مقام پہ پہونچ کے فرماتے ہیں "کل کائنات کی یہ ہستی نہیں کہ میرے دل پر گزر کر سکے پھر بھلا اُس کے دل پر اس کا گزر کیسے ہو سکتا ہے جو حق تعالےٰ کو جانتا ہو"[۶] سبحان اللہ! کتنا بڑا دعویٰ ہے اور پھر اُس کے ساتھ کیسا انکسار!
ایک دن نماز عصر میں دیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ آفتاب اُفق مغرب کے قریب پہونچ گیا جب خیال آیا تو فوراً اُٹھ کے نماز پڑھی پھر لوگوں کی طرف ہنستے ہوے دیکھ کے فرمایا "کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:-

نسیت الیوم من عشقی صلاتی　　　فلا ادری عشائی من غدائی

---

۵ طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲ و ۱۲۳ —　　۶ تذکرۃ الاولیا۔ ۷۰۵ - ۷۰۶ -

(آج اپنے عشق کی دُھن مین مین نماز پڑھنا بھول گیا۔ تو اب خبر ہی نہین ہوتی کہ کب شام ہوئی اور کب صبح ہوئی[1]۔)

ایک دن خلوت گاہ خاص مین تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا "کون؟" آواز آئی "ابوبکر" (کوئی صاحب ہون گے) فرمایا "اس وقت تو اگر ابوبکر صدیقؓ بھی آئین تو دروازہ نہ کھولون گا۔ جائیے مجھے فرصت نہین[2]۔"

ابو مقاتل عکّی کا بیان ہے کہ "مین ایک مرتبہ ابوبکر شبلی کی خدمت مین حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ موچنے سے بھوؤن کے بال اُکھاڑ رہے ہین۔ مین نے کہا "حضرت آپ اپنے بال اُکھاڑتے ہین اور میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔" فرمایا "افسوس کہ حقیقت مجھ پر ظاہر ہو گئی ہے۔ اور مین ضبط و برداشت کی طاقت نہین رکھتا ہون۔ اِسی وجہ سے مین عمداً اپنے جسم مین درد کو پیدا کرتا ہون کہ شاید اس الم مین وہ تکلیف بھول جائے۔ مگر کیا کہون کہ نہ درد محسوس ہوتا ہے نہ وہ تکلیف جاتی ہے۔ اور نہ اُس کے برداشت کرنے کی طاقت ہے[3]۔"

ایک مجلس مین آپ کو بار بار "اللہ" "اللہ" کہتے سُن کے ایک درویش بولا "لاالٰہ الا اللہ کیون نہین کہتے ہین؟" یہ سنتے ہی ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا "ڈرتا ہون کہ ایسا نہ ہو لا کہون اور دم نکل جائے۔" یہ بے مثل اور عاجز کر دینے والا فقرہ اُس صاحب دل درویش کے قلب پر اس قدر اثر کر گیا کہ کانپ اُٹھا۔ اور اُسی وقت روح پرواز کر گئی۔ اُس کے اعزّا اور رشتہ دارون نے یہ واقعہ سُنا تو دعویٰ کیا کہ شبلی نے اُس غریب کو مار ڈالا۔ صرف اِس کی شہرت ہی نہین ہوئی۔ بلکہ عدالت مین آپ پر قصاص کا

---

[1] طبقات الکبریٰ ۔ ۱۲۳ ۔ [2] تذکرۃ الاولیا ۲ ۔ ۲۹ ۔ [3] رسالۂ قشیریہ ۔ ۴۴ ۔

دعویٰ دائر کر دیا گیا۔ جواب دِہی کے لیے لوگ آپ کو دربارِ خلافت مین لے گئے۔ بیتابانہ وضع سے خلیفہ کے سامنے گئے تو اُس نے کہا "تمہارے پاس اپنی برأت کے لیے کیا جواب ہے؟" آپ نے فرمایا "یہ ایک جان تھی شوقِ لقائے حق تعالیٰ کے جلال کی آگ سے مشتعل۔ تمام علائق سے جُدا۔ انسانی صفات و آفات سے فنا۔ طاقت سے بے طاقت۔ صبر سے بے صبر۔ درگاہ رب العزت کا تقاضا اُس کے دل اور سینے پر چھایا ہوا۔ میرا کلام سنتے ہی مشاہدۂ جمال کی ایک بجلی اُس کی جان پر چمکی۔ اور اُس کی سوختۂ عشق روح قفسِ قالب سے ایک چڑیا کی طرح اُڑ گئی۔ شبلی کا اس مین کیا گناہ؟" یہ پُر جلال تقریر سنتے ہی خلیفہ نے سہم کے کہا "انھین فوراً یہان سے ہٹاؤ۔ کیونکہ ان پُرشور الفاظ سے ایک ایسی کیفیت و حالت میرے دل پر طاری ہے کہ ڈرتا ہون بیہوش نہ ہو جاؤن"[عسه]

ایک صاحبِ دل شخص نے پوچھا "یا حضرت۔ مین آپ کو اکثر غمگین کیون پاتا ہون؟ کیا وہ ہر گھڑی آپ کے پاس نہین موجود ہے؟" جواب مین ارشاد فرمایا "اگر مین اُس کے ساتھ ہوتا تو مین ہوتا۔ مین تو اُس کی ہستی مین محو و جذب ہو گیا ہون"[عسه]

ایک دن فرمانے لگے "بھلا اُس آفتابون کے آفتاب کی نسبت کیا کہو گے جس کے مقابل ظلمت ہی ظلمت ہے"[عسه] ذاتِ باری عز اسمہ مین اس طرح محو ہو جانے کا ایک معجز نما نمونہ بھی اُس وقت نظر آ گیا جب آپ کو لوگون نے پتھر مارے۔ پاؤن زخمی ہو گیا۔ اور اُس سے خون بہنے لگا تو خون کا جو چھاپہ زمین پر پڑتا اُس سے

عسه تذکرۃ الاولیا۔۲۹۹۔ عسه رسالہ قشیریہ۔۵۱۔ عسه طبقات الکبریٰ۔۱۲۴۔

کہتے ہین کہ "اللہ" کا لفظ بن جاتا۔[5]

آپ کے سچے ذوق وشوق محویت اور فنا فی اللہ ہونے کے اکثر واقعات دیگر مقامات خصوصًا شاعری اور تعلیمون کے مباحث مین بیان کیے جائین گے سردست اس بحث کو چھوڑ کے ہم دیگر حالات کی طرف توجہ کرتے ہین۔

الہامات صفائے باطن اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ چیزسے عبرت وتاثر

حدیث مین آیا ہے کہ سچے پُر اثر خواب بھی نبوت کا ایک شعبہ ہین ۔ چنانچہ صفائے باطن اور تزکیۂ نفس کا یہ کمال بھی حضرت مخبر صادق روحی فداہ کے ارشاد فیض بنیاد کے مطابق آپ کو حاصل تھا۔ اگرچہ شیخ ابوبکر شبلی کے اس قسم کے خواب جو ابتدائی درجۂ ولایت باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہین ہمین کم معلوم ہو سکے ۔ کیونکہ آپ کی سیرت لکھنے والون نے زیادہ تر جستجو صرف اُن حالات کی کی ہے جو ابتدائی نہین بلکہ کمال ولایت کے زمانے سے علاقہ رکھتے ہین جیسا کہ آگے چل کے معلوم ہوگا۔ تاہم ویسا خواب کا ایک واقعہ معلوم ہو سکا ہے ۔ جو تزکیۂ نفس کی تدریجی ترقیون کا پورا ثبوت دیتا ہے ۔ وہ خواب خود آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ "مین نے دو شخصون کو دیکھا جنھون نے بہت سے امور پیش کرکے کہا" اے شبلی جو شخص اس قسم کے کام کرتا ہے اُس کا شمار غافلون مین ہے"[6]

لیکن اس درجہ سے بہت جلد ترقی کرکے آپ اُس درجۂ ولایت کو پہونچ گئے جب کہ بیداری ہی مین نور عرفان مختلف حالات وکیفیات کو آپ پر منکشف کردیا

[5] تذکرۃ الاولیا ۔ ۶۹۱ ۔ [6] تذکرۃ الاولیاء ۔ ۵۰۷ ۔

کرتا تھا۔ اور فرشتۂ غیب کی صدائے باطن کانون مین گونج کے اکثر متنبہ کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے بحر معرفت مین غرق ہوکے فرمایا "خداوند تعالی نے مجھ پر طلوع کیا۔ اور ارشاد کیا جو سو گیا غافل ہوا۔ اور جو غافل ہوا حجاب مین ہوگیا"۔ ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے وضو کر کے مسجد کا ارادہ کیا تھا۔ یکایک گوش عبرت نیوش مین آواز آئی "ایسا وضو؟ اور پھر یہ گستاخی کہ ہمارے گھر کو چلا ہے؟" سنتے ہی آپ پلٹے۔ آب آواز آئی "ہماری درگاہ سے پھرا جاتا ہے؟ بتا کہان جائے گا؟" اب ضبط کی تاب نہ تھی انھون نے ایک نعرہ مارا۔ آواز آئی "ہم پر طعنہ مارتا ہے!" گھبرا کے خاموش کھڑے ہوگئے تو ندا آئی "ہان! صبر و تحمل کا دعوی ہے؟" آخر آپ سے نہ رہا گیا بے تحاشا کہہ اُٹھے استغاث بک منک (فریاد مگر تجھی سے)[۵]

یہ خود آپ کا ضمیر روشن تھا جو فرشتہ بن کے رہبری کرتا۔ اپنی ثابت قدمی کا آپ ہی امتحان لیتا۔ اور ہر قسم کی لغزشون سے آپ کو بچاتا تھا۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہین کہ ایک دن میرے دل نے مجھ سے کہا "تو کنجوس ہے"۔ مین نے جواب دیا کہ "نہین مین کنجوس نہین"۔ دل نے پھر کہا "نہین تو کنجوس ہے"۔ اپنے ضمیر کے دامن سے اس دھبّے کے مٹانے کے لیے مین نے اُسی وقت نیت کی کہ آج اس کے بعد اگر کچھ خدا مجھے دے گا اُسے جو فقیر سب کے پہلے نظر آئے گا اُس کی نذر کرون گا۔ نیت کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور پچاس دینار (اشرفیان) میری نذر کین۔ مین اُنھین لے کے گھر سے نکلا۔ سب کے پہلے ایک اندھا فقیر نظر آیا جو ایک نائی کے سامنے بیٹھا ہوا سر منڈوا رہا تھا۔ مین نے فوراً وہ رقم لے جا کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

---

۵ رسالۂ قشیریہ۔ ۲۲۹۔ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۷۔

اور کہا یہ آپ کی نذر ہے۔ اُس نے دیکھ کے کہا "اچھا تو اِس نائی کو دے دو" میں نے متحیر ہو کے کہا "حضرت یہ دینار (اشرفیاں) ہیں" اتنا سننا تھا کہ اُس فقیر نے میری طرف سر اُٹھا کے عجب پُر جلال نظر سے دیکھا۔ اور کہا "ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کنجوس ہو؟" یہ سنتے ہی ظاہر ہے کہ جناب شبلی پر صد ہا گھڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ آپ میں نے وہ دینار نائی کی طرف بڑھائے" وہ بولا کہ "جس وقت یہ فقیر میرے سامنے آ کے بیٹھا ہے میں نے دل میں اللہ جل شانہ سے عہد کیا تھا کہ اس سے خط بنانے کی کچھ مزدوری نہ لوں گا۔ اِس لیے میں کچھ نہیں لے سکتا" تب مجبور ہو کے میں نے وہ دینار اُٹھا لیے۔ اُن سے اِس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ لیجا کے اُنھیں دریا میں پھینک دیا۔ اور دل میں کہا "خدا کو جو منظور تھا کیا۔ اور اے دنیا تجھے جس نے دوست رکھا وہ ذلیل ہوا"[عہ] بعض اہل ظاہر کو اِس پر اعتراض ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمت کو دریا میں پھینک کے کسی کے کام کا نہ رکھنا نہایت ہی بدترین اسراف بلکہ ناشکری ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر شبلی پر یہ اعتراض ہرگز نہیں وارد ہوتا۔ آپ وہ اپنے آپ کو اِس رقم کا مالک ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ نیت کے ساتھ ہی وہ اُن کے قبضے سے نکل گئی تھی۔ اور پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب نے اُنھیں اِس امر پر آمادہ کر دیا۔

ایک دن چند لڑکوں کو دیکھا کہ ایک اخروٹ پر جھگڑ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا "لاؤ میں بانٹ دوں" وہ راضی ہوئے۔ اور انھوں نے توڑا تو وہ اخروٹ اندر سے خالی اور بغیر مغز کا نکلا۔ ساتھ ہی حضرت کے کانوں میں غیب کی آواز آئی "بڑے بانٹنے والے ہو تو بانٹو"

عہ روض الریاحین یافعی ۹۰-۹۹ عہ تذکرۃ الاولیا ۔ ۶۹۹۔

روشن ضمیری کے اِس سچّے احساس نے اور غیب کی اِن سرزنشوں نے آخر مین حق و باطل کی ایسی پرکھ پیدا کر دی تھی جسے کرامت اور خرقِ عادت کہنا چاہیئے۔ فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مین نے عہد کیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھاؤن گا۔ اتفاقاً صحراؤن مین پھر رہا تھا اور بادیہ گردی مین مشغول تھا کہ ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ بھوک لگی ہی تھی اُسے دیکھ کے اور اشتہا غالب ہوئی ہاتھ بڑھا کے ارادہ کیا کہ اُس مین سے چند پھل توڑ کے کھاؤن۔ ناگہان درخت مین سے آواز آئی کہ "شبلی۔ اپنے عہد کو نہ توڑو۔ مین ایک یہودی کی ملکیت ہون۔ اِس لیے میرا پھل نہ کھاؤ" یہ صدائے غیب سنتے ہی مین نے ہاتھ روک لیا۔[۵] نیز آپ نے فرمایا کہ "جب مین بازار مین گذرتا ہون تو اکثر لوگون کی پیشانیون پر سعید یا شقی کا لفظ لکھا ہوا دیکھتا ہون"[۶] آپ اپنی اِس پاک نفسی اور صفائے باطن کو آپ خود بھی بخوبی محسوس کرنے لگے تھے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی نفس اپنے کمال باطن اور اپنی روحانی ترقیون پر ناز کرنے لگتا جس لغزش سے بچنے کے لیے یون سبق ملا کہ فرماتے ہین ایک مرتبہ ابلیس نے میرے پاس آ کے کہا "تیرے اوقات کی صفائی تجھے مغرور نہ بنا دے۔ کیونکہ انھین روشن ضمیریون کے نیچے آفتون کی تاریکیان ہین"[۷] اسے کہتے ہین۔ ع عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔ اور سچ کہا ہے کہ جن کا نفس پاک ہوتا ہے نفس امّارہ اُن کا تابع فرمان ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہی صراطِ مستقیم مین رہبر بن جاتا ہے۔

صفائے باطن اور پاکیزہ نفسی کے اِن حالات و کیفیات نے آپ کی طبیعت مین ایک عجیب قسم کی روحانی نازک مزاجی پیدا کر دی تھی جس کا یہ اثر تھا کہ کوئی ادنیٰ اد

عہ۵ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی جلد ۲ - ۵۲۵ عہ۶ تذکرۃ الاولیا - ۲۹۵ و ۲۹۶ -

معمولی بات جو آپ اُس سے بیحد متاثر ہو جاتے۔ اور راہ چلتے چلتے صحبتوں مین بیٹھے بیٹھے اور بازار والون کی صدائین سنتے سنتے جوش مین آکے بیتاب ہو جاتے۔ اور جنون کی سی حالت طاری ہو جاتی۔ اور سچ پوچھئے تو یہی واقعات حضرت ابوبکر شبلی کی خداشناسی و ولایت کے خصائص ہین۔ آج کل ہمارے یہان تعلیم مین "آبجکٹ لسن" پر بہت زور دیا جاتا ہے یعنی علم کتاب نہین بلکہ علم حال پر۔ اس لیے کہ ہر چیز کی حالت و کیفیت کا مشاہدہ و معاینہ کرکے جیسی سچی واقفیت طالب علم کو حاصل ہو سکتی ہے علم کتاب و سفینہ سے ممکن نہین۔ اس طرف حضرت ابوبکر شبلی کا انہماک آج سے بہت پیشتر حد سے زیادہ گزرا ہوا تھا۔ آپ زندگی بھر مکتب توحید کے طالب علم رہے۔ ساری دنیا آپ کا کنڈرگارٹن (درس گاہ جس مین بغیر کتاب سے مدد لیے موجودات عالم کی صورتین دکھا کے طلبہ کو اُنکے حالات بتائے جاتے ہین) تھی۔ اور آپ کی نازک طبیعت عالم ظاہر کی ہر ہر کیفیت کو دیکھ کے اس قدر بیتاب ہو جاتی کہ جذبات روحانی کا جوش ہوتا۔ اور چیخ اُٹھتے۔ آپکی چیخ اور آپ کا نعرہ مشہور تھا حتیٰ کہ مرتعش اور جعفر خلدی اور خواص کے ایسے بزرگان صوفیہ اُس کے معترف اور آپ کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ آپ کے اُس نعرۂ مستانہ کی صدا مشائخ باطن کی صحبتوں مین آج تک گونج رہی ہے اور صاحبان ذوق اپنے باطن کے کانون سے سُن کے متاثر ہوتے ہین۔

خیر اب حضرت ابوبکر شبلی کی بیتابیان اور ہر عبرت بخش لفظ یا حالت یا کیفیت پر آپ کی از خود رفتگیان ملاحظہ ہون۔ ایک دن ایک شخص نے آکے پوچھا "کیون حضرت ایک صابر شخص کے لیے سب سے زیادہ مشکل اور سخت کون سا صبر ہے؟" فرمایا الصَّبْرُ فِي اللهِ (خدا کے معاملات مین صبر کرنا) سائل نے کہا "ایسا نہین ہے۔" فرمایا "الصبر لله

عہ نفحات الانس۔ ۲۱۳۔

(خدا کی راہ میں صبر کرنا) سائل بولا جی یہ بھی نہیں۔ اب حضرت شیخ شبلی کی نازک مزاجی متحمل نہ ہو سکی طیش میں آ کے فرمایا "وَیْحَكَ وَیْحَكَ!" (او کمبخت بتا کیا ہے؟) اُس نے کہا "اَلصَّبْرُ عَنِ اللّٰہِ" (خود خدا کے فراق میں صبر کرنا) سنتے ہی شبلی نے وجد میں آ کے بے اختیار ایک نعرہ مارا۔ اور یہ ایسی چیخ تھی کہ تمام حاضرین میں بیقراری کی کر لی پیدا ہو گئی۔

ایک دن راستے میں چلے جاتے تھے۔ ایک شربت کے آبخورے بیچنے والے نے صدا لگائی "لَمْ یَبْقَ اِلَّا وَاحِدٌ!" (بس ایک رہ گیا ہے!) اُنھوں نے سنتے ہی بیتاب ہو کے نعرہ مارا۔ اور بار بار زبان پر یہی کلمہ جاری تھا کہ "بس ایک رہ گیا ہے! بس ایک رہ گیا ہے" اور پھر آخر میں کہا "اور سوا ایک کے کوئی رہے گا بھی نہیں"۔

ایک دن بغداد کے بازار میں چلے جاتے تھے۔ کہ ایک کنجڑے نے ہانک لگائی "دس خیار (کھیرے) ایک دانگ کو!" لحاظ رکھنا چاہیے کہ عربی میں خیار کھیرے کو بھی کہتے ہیں اور "خَیر" کی جمع بھی خیار ہے جس کے معنے "نیکوں" کے ہیں۔ یہ صدا سنتے ہی آپ کی عبرت پذیر طبیعت میں جوش پیدا ہوا۔ اور فرمایا "جب خیار (نیکوں) کا یہ حال ہے تو اشرار (بُرے دن) کو کون پوچھتا ہے؟"

ایک دن چند دولتمندوں کو عیش و عشرت میں مشغول دیکھ کے آپ نے بیتابانہ ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا "اُن دلوں کے حال پر افسوس ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کے ذکر سے غافل و بے خبر ہیں۔ یہ اسی کی سزا ہے کہ مُردار دنیا کی نجاست کے فریفتہ بنا دیے گئے ہیں"۔

اسی طرح ایک دن راستے میں ایک جنازہ جا رہا تھا۔ اور اُس کے پیچھے پیچھے

سـ۵ رسالۂ قشیریہ ۱۲ ـ عوارف ۱۰۳ ـ سـ۶ تذکرۃ الاولیاء ۶۵ ـ سـ۵ عوارف ۱۴۷ ـ رسالہ قشیریہ ۴۴

ایک شخص روتا اور حسرت واندوہ کے ساتھ کہتا جاتا تھا "آہ من فراق الولد" (ہائے بیٹے کی جُدائی کا داغ!) اُس کی یہ صدا سنتے ہی حضرت ابو بکر شبلی نے اپنا مُنہ اور سر پیٹ پیٹ کے چلانا شروع کیا "آہ من فراق الاحد" (ہائے اُس وحدہ لاشریک کی جدائی کا داغ!")

ایک مرتبہ کسی کی زبان سے یہ شعر سُن پایا:-

أَسَائِلُ عَنْ سَلْمٰی فَهَلْ مِنْ مُخَبِّرٍ   يَكُونُ لَهُ عِلْمٌ بِهَا أَيْنَ تَنْزِلُ

(سلمیٰ کو پوچھتے ہو؟ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کر ٹھہری گی؟) آپ نے سنتے ہی ایک نعرۂ مستانہ مارا۔ اور بولے خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی خبر دینے والا نہیں"۔ اس شعر کا ہم آپ کی محویت اور ذوق و شوق کے بیان میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ وہاں یہ شعر مجنون عامری کا اور اُس میں معشوقہ کا نام لیلیٰ بتایا گیا ہے۔ اور یہاں شاعر کی معشوقہ سلمیٰ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں یہ ہے کہ کوئی صاحب باطن ملنے کو آتا تو حضرت ابو بکر شبلی خود ہی یہ شعر پڑھ کے کہا کرتے کہ کوئی بتانے والا نہیں"۔ اور اس موقع پر یوں ہے کہ کسی اور کی زبان سے یہ شعر سُن کے آپ متاثر ہوئے اور نعرہ مارا۔ وہاں یہ واقعہ امام یافعی کی کتاب مرآۃ الجنان سے لیا گیا تھا۔ اور یہاں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف سے۔ ممکن ہے کہ اختلاف روایت نے ایک ہی واقعہ کو دو طرح کے لباس پہنا دیے ہوں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ دو جُدا جُدا واقعے ہوں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی طرف سے فاختہ کو "کُوکُو" کرتے سُنا۔ لپک کے اُس درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور اُس کی کُوکُو کا جواب "ہُوہُو" دینے لگے۔

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۴۹۶ - عسہ عوارف۔ ۱۸۳۔

دیر تک یہ حالت قائم رہی کہ اُدھر وہ کوکو کا دم بھر رہی ہے اور ادھر یہ ہُو ہُو کا دم بھر رہے ہیں۔ گویا وہ پوچھتی ہے کہ "کہاں ہے؟ کہاں ہے؟" اور یہ بتاتے ہیں کہ "وہ ہے! وہ ہے!"[1]

ایک دن مغنی کو گاتے سن کے ہیں حالت سماع میں بیخود ہو کے زور و شور سے ایک نعرہ مارا۔ لوگوں نے کیفیت پوچھی تو بجائے اس کے کہ کچھ بیان کریں مشہور شاعر عرب کثیر کا یہ جذب و ذوق عشق میں ڈوبا ہوا شعر پڑھا۔

لو یسمعون کما سمعت کلامہا — خروا لعزۃ رکعا وسجودا

جس طرح میں نے اُس کی باتیں سُنی ہیں اگر یہ سب لوگ سُن پاتے تو عزہ (میری معشوقہ) کے آگے رکوع و سجود میں گر پڑتے۔[2]

ایک دن کسی صاحب ذکر شخص کو "یا رب! یا رب!" کی رٹ لگاتے ہوئے دیکھا تو جوش میں آ کے چلا اُٹھے کہ "کب تک چلاتے جائے گا۔ اُس کی بھی تو سُن جو کہہ رہا ہے "عبدی! عبدی!" وہ بھی خدا رس اور صاحب ذوق شخص تھا ان کا یہ اعتراض سُن کے بولا "اُسکی یہ صدا سُن ہی کے تو میں یا رب یا رب کہہ رہا ہوں" یہ جواب شافی سُن کے خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا "تو آپ تو معذور ہیں"[3]

ایک مرتبہ مسجد میں اذان دی۔ جب شہادتین پر پہونچے تو "اشہد ان لا الہ الا اللہ" کہہ کے کچھ ایسا جوش ہوا کہ فرمایا "اگر تو نے حکم نہ دیا ہوتا تو تیرے نام کے ساتھ غیر کا نام نہ لیتا۔ یعنی اشہد ان محمدا رسول اللہ نہ کہتا۔[4] یہ ہے سچا جوش توحید اور یہی شان حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے حج کے وقت نظر آئی تھی جب آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت

[1] تذکرۃ الاولیا - ۱۹۱ [2] عوارف - ۱۶۳ - [3] تذکرۃ الاولیا - ۲۰۶ - [4] رسالۂ قشیریہ - ۱۵۲ -

فرمایا تھا کہ "جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلعم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔"

ایک مرتبہ آپ نے کسی جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور بجائے چار کے پانچ تکبیریں کہیں۔ بعد سلام لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اور کہا "یہ تو آپ نے نیا مذہب ایجاد کیا ہے؟" فرمایا "چار تکبیریں تو مُردے پر تھیں۔ اور پانچویں جہان اور تمام اہل جہان پر۔"[عہ]

احمد بن مقاتل عکی کہتے ہیں کہ میں ماہ مبارک رمضان میں ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے برابر صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آیہ کریمہ وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ "پڑھی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو (اے محمدؐ) ہم نے تجھ پر جو وحی بھیجی ہے اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت سنتے ہی شبلی نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں سمجھا اس چیخ کے ساتھ ہی اُن کی روح پرواز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ کانپتے تھے اور بار بار کہتے تھے دوستوں سے یوں خطاب کیا جاتا ہے؟ تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہوگا؟"[عہ]

ایک دن ایک گیلی لکڑی جلتے دیکھی جس کے دوسرے سرے پر حسب معمول کچھ رطوبت ظاہر تھی۔ یہ دیکھتے ہی دفورِ جذب و جوش سے اِن پر مستی کا عالم طاری ہوگیا اور اپنے مریدوں سے مخاطب ہوکے فرمایا "مدعیو! اگر یہ دعویٰ ہے کہ تمھارے دل آتش عشق سے لبریز ہیں۔ اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو پھر تمھاری آنکھوں سے آنسو کیوں نہیں جاری ہوتے؟"[عہ]

عبداللہ بن علی نام اُس دور کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک رات کو

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۸ ۔ عہ رسالہ قشیریہ ۔ ۲۰۲ و طبقات الکبری للشعرانی ۔ ۱۲۳ ۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۶ ۔

مین اور شبلی ایک صحبت سماع مین شریک تھے۔ قوال نے کچھ گایا۔ اور شبلی نے اُس پُراثر نغمے سے متاثر ہو کے ایک نعرہ مارا۔ اور بیٹھے بیٹھے وجد و بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ آپ اور سب لوگ تو کھڑے ہوے تھے مگر آپ بیٹھے تھے۔ اہل مجلس مین سے کسی نے کہا" ابو بکر۔ یہ کیا کہ تمام اہل محفل تو کھڑے ہین۔ مگر آپ بیٹھے ہوئے ہین؟" یہ بات سُن کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر حالت مستی بدستور تھی۔ اب آپ نے ابو نواس کا یہ شعر پڑھا۔

لِی سَکْرَتَانِ وَلِلنُّدْمَانِ وَاحِدَۃٌ　　شَیْئٌ خُصِصْتُ بِہٖ مِنْ بَیْنِھِمْ وَحْدِیْ

مجھے دو نشے ہین اور ہم صحبتون کو ایک اور یہ ایسی بات ہے کہ اِن سب مین سے صرف میرے ہی لیے مخصوص ہے۔[۱]

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے بازار مین جا کے ڈیڑھ دانگ کو (جو اُس عہد کا سب سے کم قیمت سکہ تھا) ایک پُرانی گُدڑی مول لی۔ (اور آدھے دانگ کی ایک ٹوپی لی۔ پھر ان دونون چیزون کو پہنا اور بازار مین کھڑے ہو کے آواز لگائی۔ "ایک صوفی کو دو دانگ پر کون مول لے گا؟"[۲]

آپ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن خراسانی سے عجیب حسرت و یاس کے لہجے مین پوچھا" بھلا شبلی کے سوا کبھی کسی اور کو بھی اللہ کہتے دیکھا ہے؟" وہ بھی بڑے پہونچے ہوئے بزرگ تھے۔ جواب دیا" مین نے تو ایک دن بھی شبلی کو اللہ کہتے نہین سُنا" یہ سُننا تھا کہ اِن کی حالت دگرگون ہو گئی۔ اور غش کھا کے زمین پر گر پڑے۔[۳]

ان حالتون سے جن کی بدولت اُنھین دنیا اور دُنیاداری کی چیزون سے روز بروز وحشت ہوتی جاتی تھی بعض اوقات متاثر ہو جاتے۔ اور خیال آ جاتا کہ

---

[۱] رسالہ قشیریہ۔ ۲۰۵ و ۲۰۶۔ [۲] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۳۔ [۳] نفحات الانس۔ ۱۶۷۔

مین دنیا سے کس قدر دور ہوتا جاتا ہون۔ اور کبھی کبھی نعرہ مار کے کہہ اٹھتے "ہائے افلاس! ہائے افلاس!" آخر ایک دن لوگون نے پوچھا کہ حضرت افلاس کیسا؟ فرمایا لوگون مین اٹھنے بیٹھنے سے۔ لوگون کے ساتھ مانوس ہونے سے۔ لوگون سے ملنے جلنے بولنے چالنے اور ایک دوسرے کے کام آنے سے"۔ چنانچہ ان بے تعلقیون اور وحشت زدگیون نے آپ مین یہ امتیاز بھی نہین باقی رکھا تھا کہ کن صحبتون مین جانا اور کن لوگون سے ملنا چاہیے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ گھر سے نکلے تو کئی دن تک غائب رہے عقیدت کیشون اور مریدون نے سب جگہ ڈھونڈھا اور کہین نہ پایا۔ آخر بہت تلاش اور جستجو کے بعد آپ ملے تو کہان ہیجڑون کے محلے مین۔ حیرت زدہ ہو کے لوگون نے پوچھا کہ حضرت یہان کہان؟" فرمایا "جو ان لوگون کی حالت ہے وہی میری حالت ہے۔ کیونکہ یہ نہ مرد ہین نہ عورت۔ علی ہذا القیاس مین بھی نہ مرد ہون نہ عورت۔ (یہ جوش فنائیت ہے) پھر ان لوگون کی صحبت سے زیادہ مناسب جگہ میرے لیے کون ہو سکتی ہے؟"[۵]

یہ جذبات جوش وحدت کے ہجوم ہی سے نہین بعض اوقات لوگون کے غلط دعوون پر بھی ہیجان مین آجاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی صحبت مین کسی نے آپ کی نقل کی یعنی جس طرح آپ متاثر ہو کے چیخ اٹھا کرتے تھے اس نے بھی ایک ایسا نعرۂ مستانہ مارا کہ محفل گونج اٹھی۔ یہ صحبت دریائے دجلہ کے کنارے تھی۔ آپ نے فوراً اٹھا کے اسے بلا تامل دجلہ مین پھینک دیا۔ اور لوگون کو اپنے اس فعل پہ متحیر دیکھا تو فرمایا "اگر سچا ہے تو خدا اسے بچائے گا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غرق ہونے سے بچایا تھا"

عہ تذکرۃ الاولیا - ۶۹۵-۶۹۸ -

اور جھوٹا ہے تو خدا فرعون کی طرح اسے بھی غرق کر دے گا[۵۵]"

آخر الامر آپ کا یہ مبارک جنونِ توحید حد سے گزرنے لگا۔ چنانچہ ایک دہکتا ہوا انگارا لے کے جوش و خروش سے چلے۔ لوگوں نے پوچھا "کہاں؟" کہا "جاتا ہوں کعبہ کو جلا کے خاک کروں گا۔ تاکہ لوگ گھر کو چھوڑ کے گھر والے کی طرف توجہ کریں۔" دوسرے دن دیکھا تو ایک جلتی ہوئی لکڑی لیے ہوئے جا رہے ہیں جس کے دونوں سرے مشتعل تھے۔ پوچھا "حضرت کہاں کا ارادہ ہے؟" ارشاد فرمایا "جاتا ہوں بہشت اور دوزخ دونوں میں آگ لگا دوں گا۔ تاکہ بغیر ما سوی اللہ کے لالچ کے لوگ اس رب العزت کی بندگی و پرستش کریں[۵۶]"

اِن حالتوں کے طاری رہنے اور کیفیاتِ عالم سے عبرت و تنبہ حاصل کرتے رہنے کی وجہ سے ایک یہ بات بھی ہو گئی تھی کہ جو لوگ لکھنے پڑھنے میں زیادہ منہمک رہتے اُن پر بھی کبھی چوٹ کر جاتے۔ چنانچہ حسین بن احمد صفار کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ہاتھ میں دوات تھی۔ شبلی نے دیکھ کے کہا غَیِّبْ سَوَادَكَ یَکْفِیْنِیْ سَوَادُ قَلْبِیْ "یعنی اپنی اِس سیاہی کو سامنے سے ہٹاؤ مجھے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے[۵۷]۔"

اسی طرح اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اُنھوں نے فرمایا "اِذَا طَالَبُوْنِیْ بِعِلْمِ الْوَرَقِ بَرَزْتُ عَلَیْہِمْ بِعِلْمِ الْخِرَقِ" "جب لوگ مجھ سے علمِ سفینہ طلب کرتے ہیں تو میں اُن کے سامنے گدڑیوں کا علم پیش کرتا ہوں[۵۸]"

اِن باتوں کو علمائے ظاہر نے بُری نگاہ سے دیکھا۔ اور سخت معترض ہوئے۔

---

۵۵ طبقات الکبری، ۱۳۴۔ ۵۶ تذکرۃ الاولیا ۲۹۱۔ ۵۷ تلبیس ابلیس۔ تلبیس ابلیس علی الصوفیہ فی انکارہم علی من تشاغل بالعلم۔ ۵۸ تلبیس ابلیس۔ تلبیس ابلیس علی الصوفیہ فی انکارہم علی من تشاغل بالعلم۔

لیکن سچ یہ ہے کہ شبلی معذور ہین۔ اُنھون نے ابتدائے عمر مین جو کچھ پڑھا تھا اُس سے اب بہت کم تعلق باقی تھا۔ اب جس مدرسہ باطن مین تعلیم ہوئی اُس کا دار و مدار کتابون اور علم سفینہ پر نہ تھا۔ یہان اُنھون نے ریاضت کے ذریعہ سے دل کو صاف کیا اور یکسوئی و یکدلی پیدا کی۔ استغراق و وجد کی کیفیتین اپنے اوپر طاری کین اور ایسی استعداد و صلاحیت پیدا کر لی کہ سارا عالم اُن کی درسی کتاب تھا۔ جیسے وہ بغیر کسی معلم کی مدد کے پڑھتے۔ اُس کے انقلابات و حالات سے عبرت کا سبق لیتے۔ اور فنائیت کے درجے پر پہونچ کے آپ ہی آپ جھومنے لگتے۔ اب وہ خُم خانۂ وحدت کے ستون ہین تھے۔ اور اُن کی زبان سے جو نکل جاتا گرفت اور اعتراض کے قابل نہین ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ کامل خرقانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "ابوبکر شبلی وہ ہین کہ جو مست جیے اور مست ہی مرے۔ اس لیے کہ مین نے عالم مکاشفہ مین اُنھین دیکھا کہ ہوا مین رقص کر رہے ہین[۵]"

ذوق سخن۔ اور آپکی شاعری

فی الحال مشرقی شاعری کا زبردست عنصر تصوف ہے۔ عام قاعدہ سا ہو گیا ہے کہ جو شاعر ہوتا ہے وہ صوفی بھی ہوتا ہے۔ حضرات شیعہ تصوف سے بہت علیحدہ ہین۔ اور متصوفین کے خیالات و عقائد کی زور و شور کے ساتھ تردید کرتے ہین۔ مگر شاعری کی دنیا مین آ کے ہم شیعون کو بھی صوفی پاتے ہین۔ لیکن اُس ابتدائی دور مین جب کہ حضرت جنید بغدادی تصوف کی اشاعت اور علوم باطن کی تعلیم

---

[۵] نفحات الانس - ۲۴۹ -

دے رہے تھے شاعری اور تصوف مین اتنا لزوم نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ بزرگانِ صوفیہ مین سے ہمین سب سے پہلے شخص حضرت ابوبکر شبلی ہی نظر آتے ہین جنھون نے شاعری سے اپنی تعلیمات مین کام لیا۔ اور جو اپنے خداپرستی و خداشناسی کے جوش و جذبات کو اکثر اوقات اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اِس کے ساتھ ہمین یہ بھی نظر آتا ہے کہ خدا نے اُنھین طبیعت بھی ایسی عطا فرمائی تھی جو شاعری کے لیے نہایت ہی موزون و مناسب تھی۔ اُن کے واقعات بتاتے ہین کہ اگرچہ جذبات وحدت سے مست اور دریائے عرفان مین غرق تھے مگر شعر و سخن مین پورا ذوق رکھتے تھے اور بات بات پر اُن کی زبان سے شعر نکلتے تھے جو کبھی خود اُن کے ہوتے اور کبھی مشہور شعرائے عرب کے۔

حضرت جنید کو بالذات شاعری سے کچھ زیادہ اُنس نہ تھا۔ مگر حضرت ابوبکر شبلی کا ذوق مدرسۂ الٰہی کی طالب علمی ہی کے زمانے مین کبھی کبھی خداشناس شیخ کو بھی شعر سے کام لینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

ہم حضرت جنید بغدادی کے حالات مین بھی بیان کر چکے ہین اور اِس رسالے مین بھی "پیر اور مرید" کی بحث مین اس کا ذکر آچکا ہے کہ ایک دن مستانہ وضع و حالت سے آکے ابوبکر شبلی نے حضرت جنیدؒ کے سامنے تین شعر پڑھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا کہ "عَوَّدُونِی الوصالَ والوصلُ عذبٌ" اُن کو سُن کے باوجودیکہ حضرت جنید کی زبان سے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی شعر سُنا جاتا تھا مگر انھون نے بھی شاگرد و مرید کے جوش سے مجبور ہو کے ایک شعر پڑھ دیا۔

؎ ابن خلکان۔ ۲۳۶۔

اِس موقع کے علاوہ دیگر موقعون پر آپ وقتاً فوقتاً جو اشعار زبان فیض ترجمان سے ظاہر فرماتے رنگ اور جوش مین ڈوبے ہوئے کے علاوہ آپ کا اعلیٰ کمال شاعری و سخن سنجی بھی ثابت کر رہے ہین صرف اُردو داں فارسی جاننے والون کے لیے عربی اشعار بہت غیر لوس ہین۔ اور شاید بعض حضرات اسے نہ پسند کرتے ہون گے کہ اس رسالے مین آپ کے عربی اشعار بھی نقل کر دیے جائین۔ مگر ہم خیال کرتے ہین کہ بغیر اُن کے یہ کتاب جو آپ کے سوانح عمری کے بیان مین ہے ناتمام اور ناقص رہے گی۔ اور جبکہ ہم شعر کے نیچے اُس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہین تو پھر کوئی شکایت کا محل نہین۔ ان اشعار سے اگر اُردو دان حضرات آپ کے کمال شاعری کو نہ سمجھ سکین تو آپ کے خیالات و جذبات کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور کر سکین گے۔

طاہر ختعمی کہتے ہین کہ شیخ شبلی نے مجھے اپنے یہ دو شعر سُنائے۔

مَضَتِ الشَّبِیْبَۃُ وَالْحُبَیْبَۃُ فَانْبَرٰی — دَمْعَانِ فِی الْاَجْفَانِ یَزْدَحِمَانِ

جوانی بھی رخصت ہوئی اور معشوقہ بھی تو پلکون مین دو آنسو ایک دوسرے کے معارض ہوئے۔ اور نکلنے کے لیے ہجوم کرنے لگے۔

مَا اَنْصَفَتْنِی الْحَادِثَاتُ رَمَیْنَنِیْ — بِمُوَدَّعَیْنِ وَلَیْسَ لِیْ قَلْبَانِ

حوادث زمانہ نے میرے حق مین انصاف نہین کیا کہ دو دو کے رخصت کرنے پر مجبور کیا حالانکہ میرے پاس دل ایک ہی ہے دو نہین[۱]۔

بعض لوگون نے حضرت ابو بکر شبلی کو عالم وجد مین دیکھا کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے ہین۔ اور مستانہ وار یہ اشعار پڑھ رہے ہین۔

[۱] ابن خلکان۔ ۲۲۶۔

شَقَقْتُ جَیْبِیْ عَلَیْکَ شَقًّا　　وَمَا لِجَیْبِیْ عَلَیْکَ حَقًّا

میں نے اپنے گریبان کو پھاڑ ڈالا۔ حالانکہ گریبان کا تجھ پر کوئی حق نہ تھا۔ یعنی اُسے کچھ تعلق نہ تھا۔

اَرَدْتُ قَلْبِیْ فَصَادَفَہٗ　　یَدَایَ بِالْجَیْبِ اِذْ تَوَفَّیٰ

میں نے تو دل ہی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا مگر گریبان نے ہاتھ کو روکا اور پھٹ گیا۔

لَوْ کَانَ قَلْبِیْ مَکَانَ جَیْبِیْ　　لَکَانَ لِلشَّقِّ مُسْتَحِقًّا

اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل پھٹا ہوتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا[۱]۔

یہ دو شعر حضرت ابو بکر شبلی کے ہیں۔ کیا نازک خیالی اور دقیقہ سنجی ہے۔

اِنَّ صَوْتَ الْمُحِبِّ مِنْ اَلَمِ الشَّوْقِ　　وَخَوْفِ الْفِرَاقِ یُوْرِثُ عُذْرًا

عاشق کا عشق کی تکلیف اور فراق کے دھڑکے میں چلّانا بے وفائی ظاہر کرتا ہے۔

صَابِرِ الصَّبْرَ فَاسْتَغَاثَ الصَّبْرُ　　وَصَاحَ الْمُحِبُّ بِالصَّبْرِ صَبْرًا

صبر پر صبر کر (تو اس صبر سے کیا ہوا کہ) خود صبر پناہ مانگنے لگا۔ اور عاشق نے صبر سے ڈانٹ کے کہا کہ صبر کر[۲]۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صحبت میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ذکر و رویت باری کے نازک مسائل باطن کو کس خوبی و وضاحت سے بتایا ہے۔ اور کتنی اچھی تعلیم ہے۔

ذَکَرْتُکَ لَا اَنِّیْ نَسِیْتُکَ لَمْحَۃً　　وَاَیْسَرُ مَا فِی الذِّکْرِ ذِکْرُ لِسَانِیْ

---

[۱] روض الریاحین۔ ۲۲۸۔ [۲] عوارف المعارف۔ ۳۰۱ و ۳۰۲۔

میں نے تجھے یاد کیا اس طرح نہیں کہ ایک لحظہ کے لیے بھی بھولا ہوں اور یاد کرنے میں سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی زبان سے یاد کروں۔

وَكُنْتُ بِلَا وَجْدٍ اَمُوْتُ مِنَ الْهَوٰى   وَهَامَ عَلَيَّ الْقَلْبُ بِالْخَفَقَانِ

اگر عالم وجد نہ طاری ہوتا تو میں عشق میں مر جاتا مگر دل نے مجھ میں جوش عشق کا خفقان پیدا کر دیا۔

فَلَمَّا اَرَانِي الْوَجْدُ اَنَّكَ حَاضِرِيْ   شَهِدْتُكَ مَوْجُوْدًا بِكُلِّ مَكَانِ

پھر جب وجد نے مجھے دکھایا کہ تو میرے سامنے موجود ہے اُس وقت تو مجھے ہر جگہ موجود نظر آ گیا۔

فَخَاطَبْتُ مَوْجُوْدًا بِغَيْرِ تَكَلُّمٍ   وَلَاحَظْتُ مَعْلُوْمًا بِغَيْرِ عِيَانِ

اور میں نے اُس موجود (مطلق) سے خطاب کیا بغیر اس کے کہ گفتگو ہو۔ اور اُس معلوم (مطلق) کو دیکھا بغیر اس کے کہ وہ سامنے ہو۔[عہ]

ابو بکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ ایک دن ابو الحسن تیمی حضرت ابو بکر شبلی کے گھر میں گئے تو دیکھا کہ جوش میں آ کے وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہیں

عَلٰى بُعْدِكَ لَا يَصْبِرُ   مَنْ عَادَتُهُ الْقُرْبُ

تیرے فراق میں وہ شخص صبر نہیں کر سکتا جسے پاس رہنے (وصل) کی عادت ڈالی ہوئی ہے۔

وَلَا يَقْوٰى عَلٰى هَجْرِكَ   مَنْ تَيَّمَهُ الْحُبُّ

اور ہجر کے برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہیں رکھتا جسے محبت نے ذلیل و خوار کر دیا ہو

عہ رسالہ قشیریہ – ۱۴۲۔

فَإِنْ لَمْ تَرَكَ الْعَيْنُ　　فَقَدْ يُبْصِرُكَ الْقَلْبُ

تو اگر تجھے آنکھ نہیں دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے[ع]۔

یہ دونوں شعر بھی آپ ہی کی جانب منسوب ہیں۔

تَسَرْمَدَ وَقْتِي فِيكَ فَهُوَ مُسَرْمَدٌ　　وَأَفْنَيْتَنِي عَنِّي فَعُدْتُ مُجَرَّدًا

میرا وقت تیری ذات میں پہنچ کے ابدی ہوگیا۔ لہٰذا وہ سرمدی ہے۔ اور تو نے مجھے خود اپنے سے فنا کر دیا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی مجرد پھر ہوگیا۔

تَغَرَّبَ أَمْرِي فَانْفَرَدْتُ بِغُرْبَتِي　　فَصِرْتُ غَرِيبًا فِي الْبَرِيَّةِ أَوْحَدَا

میرا معاملہ نئی قسم کا ہوگیا تو میں اپنی غربت (ندرت) کے لحاظ سے یکتا ہوگیا۔ اور صحرا میں غریب و خائف ہوگیا[ہ]۔

اکثر آپ کہا کرتے "خداوندا! کاش یہ معلوم ہوتا کہ تیرے نزدیک میرا کیا نام ہے۔ میرے ساتھ تو کیا کرنے والا ہے؟ اور میرے عمل کا خاتمہ کس چیز پر کرے گا؟"

پھر یہ اشعار پڑھتے۔

لَيْتَ شِعْرِي كَيْفَ ذِكْرِي　　عِنْدَ مَنْ يَعْلَمُ سِرِّي

مجھے کاش معلوم ہوتا کہ وہ جو میرے بھیدوں کو جانتا ہے اس کے ہاں میرا کس طرح ذکر آتا ہے؟۔

أَمْ جَمِيلٌ أَمْ قَبِيحٌ　　أَمْ بِخَيْرٍ أَمْ بِشَرٍّ

اچھا یا برا۔ بھلائی سے یا برائی سے۔

لَيْتَ شِعْرِي كَيْفَ حَالِي　　بِيَقِينٍ أَمْ بِكُفْرِ

[ع] ابن خلکان۔ ۱۲۵۔ [ہ] عوارف۔ ۱۰۷۔

کاش معلوم ہوتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ موت کے دن اور قیامت کے دن ؟۔

لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ مَوْتِیْ   بِیَقِیْنٍ اَمْ بِکُفْرٍ

کاش معلوم ہوتا کہ میری موت کیسی ہوگی یقین (ایمان) پہ یا کفر پہ ؟۔

اَتَرٰی یُقْبَلُ قَوْلِیْ   اَمْ تَرٰی یُشْرَحُ صَدْرِیْ

کیا تمھاری رائے ہے کہ میرے کہنے کو وہ قبول کرے گا ؟۔ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ میرے سینے کو وہ کھول دے گا ؟۔

لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ اَمْضِیْ   بِنَعِیْمٍ اَوْ بِجَمْرٍ

کاش میں جانتا ہوتا کہ کہاں جاؤں گا جنت میں یا دوزخ میں ؟۔

قَدْ عَدَوْا مَدْحِیْ وَ وَصْفِیْ   فَاَنَا اَعْرَفُ قَدْرِیْ

تو تم میری تعریف اور ثنا وصفت چھوڑ دو کیونکہ اپنی قدر میں ہی خوب جانتا ہوں[عہ]۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہ بن ابی ذہل خود مجھ سے کہتے تھے کہ ایک دن میرے سامنے کسی شخص نے شیخ ابوبکر شبلی سے پوچھا کہ اس شخص کی نسبت آپ کیا کہیں گے کہ کسی کلام کا مطلب تو نہیں سمجھا مگر سن کے اس شخص کو حال آگیا۔ اور سب سمجھے اسپر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے جواب میں شبلی نے یہ اشعار پڑھے جو مشہور عاشق عرب مجنون عامری کے ہیں۔

رُبَّ وَرْقَاءَ هَتُوْفٍ بِالضُّحٰی   ذَاتَ شَجْوٍ صَدَحَتْ فِیْ فَنَنٍ

ایک کبوتری جو کچھ دن چڑھے بول رہی ہے اسکی آواز میں درد ہے اور ٹہنیوں میں سے آواز دیتی ہے۔

عہ روض الریاحین۔ ۱۲۸۔

ذَكَرَتْ اِلْفاً وَدَهْراً سَالِفاً ۔ فَبَكَتْ حُزْناً فَهَاجَتْ حُزْنِیْ

اُس نے کسی محبت اور کسی اگلے زمانے کو یاد کیا تو غم سے روئی اور میرے غم کو حرکت دے دی۔

فَبُكَائِیْ رُبَّمَا اَرَّقَهَا ۔ وَبُكَاهَا رُبَّمَا اَرَّقَنِیْ

تو میرے رونے نے کبھی اُس کا دل رقیق کر دیا۔ اور اُس کے رونے نے کبھی میرا دل رقیق کر دیا۔

وَلَقَدْ تَشْكُوْ فَمَا اَفْهَمُهَا ۔ وَلَقَدْ اَشْكُوْ فَمَا تَفْهَمُنِیْ

وہ شکایت کرتی ہے اور میں اُسکی زبان نہیں سمجھتا اور میں شکایت کرتا ہوں اور وہ میری زبان نہیں سمجھتی۔

غَيْرَ اَنِّیْ بِالْجَوٰی اَعْرِفُهَا ۔ وَهِیَ اَيْضاً بِالْجَوٰی تَعْرِفُنِیْ

سوا اس کے کہ سوزش عشق سے میں اُسے پہچانتا ہوں اور اُسی سوزش عشق سے وہ بھی مجھے پہچانتی ہے۔

یہ دونوں شعر بھی حضرت ابوبکر شبلی کی زبان سے سُنے گئے۔ اور غالباً اُنھیں کے ہیں۔

يَا اَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيْمُ ۔ حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشٰی مُقِيْمُ

اے سردار کریم۔ تیری محبت میرے سینے کے اندر ٹھہری ہوئی ہے۔

يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جُفُوْنِیْ ۔ اَنْتَ بِمَا مَرَّ بِیْ عَلِيْمُ

اے میری پلکوں سے نیند غائب کرنے والے۔ مجھ پر جو کچھ گذری اُسے تو جانتا ہے۔

عہ طبقات الشافعیہ الکبری للسبکی۔ جلد دوم ۱۶۶۔ عہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۹۰۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حق کو مجاہدات کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا وہ مقصد سے دور ہے۔ اور جس نے اُسے اُسی کے ذریعے سے طلب کیا اُسے وہ مل گیا۔ اور یہ فرما کے یہ دو شعر پڑھ دیتے۔

أَيُّهَا الْمُنْكِحُ الثُّرَيَّا سُهَيْلاً عَمَّرَكَ اللهُ كَيْفَ يَجْتَمِعَانِ

اے ثریا (ایک مشہور خاتون ثریا بنت علی بن عبداللہ بن الحارث) کا نکاح سہیل (سہیل بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری) کے ساتھ کرانے والے خدا تیری بڑی عمر کرے کیونکہ یہ دونوں جمع ہوں گے۔

هِيَ شَامِيَّةٌ إِذَا مَا اسْتَهَلَّتْ وَسُهَيْلٌ إِذَا مَا اسْتَهَلَّ يَمَانِي

یہ (ثریا) جب طلوع کرے تو شامیہ ہوتی ہے۔ اور سہیل جب طالع ہوتا ہے یمانی ہوتا ہے۔

یہ مشہور شاعر عمرو بن ربیعہ مخزومی کے اشعار ہیں وہ ثریا اور سہیل (مذکورین) کا عقد ہونے کی تعریض کرتا ہے۔ اور اُن دونوں کو آسمان کے ثریا و سہیل سے تعبیر کر کے کہتا ہے کہ قاضی صاحب آپ نے یہ کیا معجزہ دکھا دیا کہ ثریا اور سہیل کا قران پیدا کر دیا حالانکہ ثریا (ستارہ) شام کی طرف طلوع کرتا ہے اور سہیل یمن میں۔

ایک شخص نے حضرت شبلی کے حلقۂ ذوق میں شریک ہو کے اور سامنے مؤدب کھڑے ہو کے پوچھا حضرت آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ صحت وجود کے آثار صاحبان وجد پر ظاہر ہوں؟" فرمایا" ہاں۔ ایک نور نمایاں ہوتا ہے جسکی حالت آتش

سلے طبقات الکبریٰ للشعرانی ۱۲۴

شوق سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اور انسانی ہیکلون (جسمون) پر اُس کے آثار چمکنے لگتے ہین۔ جیسے کہ ابن المعتز نے کہا ہے۔

وَاَمْطَرَ الْکَاْسُ مَاءً مِنْ اَبَارِیْقِهَا　　　فَاَنْبَتَ الدُّرَّ فِیْ اَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ

جام مین صراحیون سے ایک مینہ برسا جس نے سونے کی زمین (سطح جام) مین موتی اُگا دیے۔

وَسَبَّحَ الْقَوْمُ لَمَّا اَنْ رَاَوْا عَجَبًا　　　نُوْرًا مِنَ الْمَاءِ فِیْ نَارٍ مِنَ الْعِنَبِ

اور لوگون نے جب پانی کا ایک نور انگور کی آگ مین چمکتے دیکھا تو متعجب ہو ہو کے سبحان اللہ کہہ اُٹھے۔

سُلَافَةٌ وَرِثَتْهَا عَادٌ مِنْ اِرَمٍ　　　کَانَتْ ذَخِیْرَةَ کِسْرٰی عَنْ اَبٍ فَاَبٍ

آب انگور جس کے قوم عاد والے باغ ارم سے وارث ہوئے ہین اور جو کسریٰ کے وہان آبا و اجداد سے امانت چلا آتا تھا۔ؑعہ

ایک دن نماز عصر پڑھنا بھول گئے۔ اور وقت آخر ہو گیا۔ جیسے ہی خیال آیا اُٹھ کے نماز پڑھی اور ہنس کے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

نَسِیْتُ الْیَوْمَ مِنْ عِشْقِیْ صَلَاتِیْ　　　فَلَا اَدْرِیْ عِشَائِیْ مِنْ غَدَائِیْ

اپنے عشق کی دُھن مین آج مین نماز ہی بھول گیا۔ اب تو مجھے صبح و شام کا فرق بھی نہین معلوم ہوتا۔عہ

ایک مرتبہ کسی نے حاضر خدمت ہو کے عرض کیا کہ میرے حق مین دُعا فرمائیے جواب مین یہ شعر پڑھ دیا۔

عہ رسالہ قشیریہ۔ ۴۵۔ عہ طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔

مَضَیٰ زَمَنٌ وَ النَّاسُ یَسْتَشْفِعُوْنَ بِیْ   فَھَلْ لِیْ اِلَیٰ لَیْلَی الْغَداۃَ دَلِیْلٌ

وہ زمانہ گذر گیا جب لوگ مجھ سے سفارشیں اٹھوایا کرتے تھے۔ اب تو کوئی ایسا بھی ہے جو کل لیلیٰ کے پاس جا کے میری سفارش کر دے؟[۱]

ایک مرتبہ عالم وجد و حال میں ابونواس کا یہ شعر پڑھا تھا جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور آپ پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں۔

لِیْ سَکْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَۃٌ   شَیْءٌ خُصِصْتُ بِہٖ مِنْ بَیْنِھِمْ وَحْدِیْ

مجھے دو نشے ہیں اور حریفان صحبت کو صرف ایک۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے ان میں سے اکیلا میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں[۲]۔

لوگوں نے کسی موقع پر کہا کہ آپ موٹے تازے نظر آتے ہیں۔ لیکن جس محبت کا آپ کو دعویٰ ہے اس کا یہ تقاضا تھا کہ آپ دبلے ہوتے۔ فرمایا۔

اَحَبَّ قَلْبِیْ وَمَا دَرٰی بَدَنِیْ   وَلَوْ دَرٰی مَا اَقَامَ فِی السِّمَنِ

میرا دل محبت میں مبتلا ہوا۔ اور بدن کو خبر نہ ہوئی۔ اور اگر خبر ہوتی تو موٹا نہ رہتا[۳]

ابو محمد ہروی کا بیان ہے کہ جس رات حضرت ابوبکر شبلی کا انتقال ہوا ہے ساری رات وہ یہی دو شعر پڑھتے رہے۔

کُلُّ بَیْتٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ   غَیْرُ مُحْتَاجٍ اِلَی السُّرُجِ

ہر مکان جس کا رہنے والا تو ہو اس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَجْھُکَ الْمَامُوْلُ حُجَّتُنَا   یَوْمَ یَاْتِی النَّاسُ بِالْحُجَجِ

تیرا چہرہ جو لوگوں کی امیدگاہ ہے ہماری دلیل ہوگا جس دن کہ لوگ اپنی

---

[۱] نفحات الانس۔ ۱۷۵ [۲] رسالۂ قشیریہ۔ ۲۰۵ [۳] نفحات الانس۔ ۱۷۵۔

اپنی دلیلین لا کے پیش کرینگے۔ یہی خیال فارسی مین کس خوبی سے ادا کیا گیا ہو۔

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ را — من نیز حاضر مے شوم تصویر جانان در بغل

آخر عمر مین اکثر یہ شعر بھی آپ کی زبان فیض ترجمان پر جاری رہتا تھا۔

وَکَمْ مِنْ مَوْضَعٍ لَوْمُتُّ فِیْهِ — لَکُنْتُ بِهٖ نَکَالًا لِلْعَشِیْرَۃِ

اور کتنی جگہین ہین کہ اگر مین اُن مین مرجاؤن تو وہان والون کے حق مین ایک عذاب ہو جاؤنگا۔

جبکہ نزع کا عالم طاری تھا لوگون نے کہا کہیے "لا الہ الا اللہ" فرمایا۔

قَالَ سُلْطَانُ حُبِّهٖ اَنَا لَا اَقْبَلُ الرِّشَا — فَسَلُوْهُ بِحَقِّهٖ لِمَ بِقَتْلِیْ تَحَرَّشَا

اُس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ مین رشوت نہین قبول کرتا تو اُسکے حق کا واسطہ دلا کے اُس سے پوچھو کہ پھر میرے قتل کے بارے مین کیون لوگون کے کہنے مین آگیا۔

شاید تتبع اور جستجو سے آپ کے اور اشعار یا آپ کے مذاق شعرخوانی کے اور نمونے نظر آجائین مگر اس قدر بہت کافی ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کا مذاق شاعرانہ کس قدر نکھرا اور لطیف تھا۔ اور کیسے صحیح محل پر آپ اشعار کو کام مین لاتے تھے۔ کیا عجب کہ تصوف مین شاعری کی چاشنی دینا اور شاعری کو تصوف کا خلعت شاہانہ پہنا دینا آپ ہی کا ایجاد ہو۔ لیکن ایسا دعویٰ کرنے کے لیے ابھی ہم تیار نہین ہین۔

عہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۷۹۔ عہ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔

۱۱۸۱۶

آپ کے سفر

امام ابوالقاسم قُشیری فرماتے ہین کہ "صوفیہ کی حالتین جداگانہ رہی ہین۔ اُنمین سے بعض بزرگ اول سے آخر تک مقیم ہی رہے۔ اور اپنے کُنجِ عزلت کو چھوڑ کے منزلِ سفر مین کبھی قدم نہ رکھا۔ جیسے حضرات جنید بغدادی، سہیل بن عبداللہ، بایزید بسطامی اور ابوحفص حداد وغیرہم۔ بعضون نے سفر اختیار کیا۔ ساری زندگی غریب الوطنی کی نذر کردی۔ اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی سیاحت ہی مین تھے۔ جیسے ابوعبداللہ مغربی۔ ابراہیم بن ادہم وغیرہما۔ بہتون کی یہ حالت رہی کہ ابتدائی حال مین مشغول سیاحت ہوئے۔ بہت سے سفر کیے۔ اور اُس کے بعد ایک جگہ پاؤن توڑ کے بیٹھ گئے۔ جیسے ابوعثمان حیری۔ اور ابوبکر شبلی وغیرہما"[۱]

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی کی زندگی ابتدائے سفر مین گذری۔ اور آخر عمر مین اقامت گزین ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آپ کی سیرت لکھنے والون نے آپ کے حالات سفر بیان کرنے مین نہایت بے پروائی اور کوتاہ قلمی سے کام لیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ نے ایک ہی نہین متعدد سفر حج کیے ہون گے لیکن کتب سیر سے آپ کا ایک دفعہ حج کرنا بھی نہین ثابت ہوتا۔ ہان محاضرات کی ایک مشہور کتاب مین البتہ آپ کے حالات زندگی کے تذکرہ مین یہ واقعہ نظر پڑا کہ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ دور سے جیسے ہی مکہ معظمہ کی عمارت نظر آئی ذوق و شوق کا ایسا ہیجان ہوا کہ غش کھا کے گر پڑے۔ اور جب ہوش آیا

۱؎ رسالۂ قشیریہ ص ۱۷۰۔

تو زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

هٰذِهٖ دَارُهُمْ وَاَنْتَ مُحِبٌّ   مَا بَقَاءُ الدُّمُوْعِ فِی الْاٰمَاقِ

(یہ اُن کا مکان ہے اور تو عاشق ہے۔ پھر یہ آنسوؤں کا آنکھوں مین باقی رہنا کیسا؟)[سعہ]

ہمارے سابقہ بیانون سے معلوم ہو چکا ہے کہ تصوف کے مدرسہ روحانی مین آنے سے پہلے آپ نہاوند کے والی اور حاکم تھے۔ لہذا اُس زمانے کو بھی سفر کا زمانہ خیال کرنا چاہیے۔ کیونکہ وطن سے مین راہی تھا حکومت علاقہ جبل کی۔ مگر اُس سفر کو اُس قسم کی غریب الوطنی سے کوئی علاقہ نہین جو بقول علامہ قشیری۔ کے اہل باطن کی ریاضت اور ایک قسم کی شان ولایت ہے۔

ہان اُس کے چند روز بعد جب آپ حضرت جنیدؒ کی خانقاہ فیض مین پہونچے اور اُنھون نے فرمایا کہ "تم ایک صوبہ کے حاکم رہ چکے ہو اور خدا کی مخلوق کا ایک بڑا حصہ تمھارے زیر دست رہ چکا ہے پہلے وہان جا کے ہر اُس شخص سے جو تمھارے زیر حکومت رہا ہو معافی چاہو اور حق العباد سے سبکباری حاصل کرو" اس وقت آپ کا پہلا سفر ولایت شروع ہوا۔ افسوس ہمین آپ کے اس سفر کے بھی تفصیلی حالات نہین معلوم لیکن خیال سے مدد لیا سے تو نظر آجاتا ہے کہ آپ کس طرح گاؤن گاؤن پھرے ہون گے۔ ایک ایک دروازے پر گئے ہون گے اور انھین لوگون کے سامنے جو کل تک حلقہ بگوش امارت تھے سر عجز جھکایا ہوگا اور بہ الحاح عفو تقصیر کی خواہش کی ہو گی جنھون نے اپنا کچھ حق بتایا ہو گا اُن کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہو گی اور چند روز مین سبکبار دستبکہ دش ہو کے دل پر سے حق العباد کا بار

سعہ مستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول۔ ۱۲۸۔

اُتار کے ہلکے پھلکے مطمئن اور شگفتہ خاطر حضرت شیخ کی خدمت مین واپس آئے ہونگے
لیکن ابھی سفر کا خاتمہ نہین ہوا تھا۔ کیونکہ سرکش نفس کا غرور توڑنے کے لیے
دربار شیخ سے اور ریاضتین بھی بتائی گئی تھین جن مین سے دو سال گدائی و
دریوزہ گری کرنا تھا۔ اس زمانے کو بھی سفر ہی مین شامل سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ نہ کسی
جگہ قیام کیا اور شب و روز پھرتے اور ادھر اُدھر گشت ہی لگاتے رہے۔ غالبًا
آپ کے یہی سفر ہین جن کی بنا پر اہل سیر کہتے ہین کہ آپ کا ابتدائی زمانہ سفر مین بسر ہوا۔
آپ کی زندگی مین دو ایک واقعات اور بھی ایسے ظاہر ہوتے ہین جن سے
ضمنی طور پر آپ کے سفر اور بادیہ گردی و دشت نوردی کا پتہ لگتا ہے۔
چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادیۂ عرب مین آپ دشت نوردی کرتے چلے جاتے تھے
کہ ایک قبرستان پر گزر ہوا۔ جہان دیکھا کہ ایک شخص روتا، بار بار آسمان کی طرف سر
اُٹھا کے دیکھتا، پھر زمین پر گال رگڑتا ہے اور تسبیح و تہلیل مین مشغول ہے۔ دل مین
آئی کہ اس سے چل کے ملنا چاہیے۔ چنانچہ راستہ چھوڑ کے اُسکی طرف چلے۔ اُس نے جو
آتے دیکھا تو اُٹھ کے آگے روانہ ہوا۔ آپ نے قدم تیز کیے تو وہ زور سے بھاگنے لگا۔
آخر آپ نے تنگ آکے آواز دی کہ "اے ولی اللہ۔ للہ ٹھہریے"۔ اُس نے دور ہی سے
جواب دیا کہ "نہین"۔ آپ نے قسم دلائی۔ لیکن اُس نے اب بھی نہ مانا۔ تب آپ نے کہا اچھا
اگر پاس نہین آتے تو اپنی سچائی کا ثبوت دو"۔ یہ سُنتے ہی اُس نے تین بار "اللہ اللہ
اللہ" کا نعرہ بلند کیا اور دھم سے گر پڑا۔ قریب جا کے دیکھا تو تن بیجان تھا اور روح
مفارقت کر چکی تھی۔ اب آپ کو فکر ہوئی کہ اس خدا رسیدہ شخص کی تجہیز و تکفین کا انتظام
کرنا چاہیے۔ اُس قبرستان سے نکل کے ایک قبیلۂ عرب کے پڑاؤ مین تشریف لے گئے

اُن سے اِس فرضِ کفائی کے متعلق مدد حاصل کی۔ اور واپس آئے۔ لیکن یہاں آکے جو دیکھتے ہیں تو لاش غائب ہے۔ متحیر و پریشان کھڑے تھے کہ ملہمِ غیب نے آواز دی "ملائکہ نے اُسکی تجہیز و تکفین کر دی۔ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو جا کے عبادت کر۔ صدقہ و خیرات دے اور اپنے کام سے لگ۔ کیونکہ انھیں اعمال کی بدولت اس مرحوم شخص نے یہ مرتبہ پایا۔" اب آپ اور زیادہ حیران ہوئے کہ "یہ کون شخص تھا؟ اور اُس کے کیا حالات تھے" چنانچہ اِن سوالات کو باوازِ بلند اُس منادیِ غیب کے سامنے پیش کیا۔ جواب ملا کہ "یہ شخص ابتدائے عمر میں نہایت ہی گنہگار و سیہ کار تھا۔ فسق و فجور اور زنا میں مبتلا تھا۔ لیکن بارہ برس کا زمانہ گزرا کہ ایک خواب سے متنبہ ہو کے توبہ کی اور متقی و پرہیزگار بن گیا۔ کل کے دن اتفاقاً ایک سائل نے اِس سے سوال کیا جسے اس نے اپنے کپڑے اُتار دیے۔ سائل نے خوش ہو کے دُعا دی کہ خدا تیری مغفرت کرے۔ وہ دُعا خدا نے قبول کر لی اور اسے یہ رتبہ عطا ہوا کہ فرشتوں نے تجہیز و تکفین کی۔"[1]

اسی طرح کا ایک وہ واقعہ سفر بھی ہے جسے ہم بیان کر آئے ہیں کہ اکل حلال کھانے کا عہد کیا تھا۔ جنگل بیابان میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اور بھوک لگی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ ہاتھ بڑھایا کہ کچھ پھل توڑ کے کھائیں کہ خود اُس درخت نے آواز دی "اپنے عہد کو نہ توڑو۔ اور میرے پھل کھانے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔"[2]

اور بعض کتابوں میں حضرت شیخ ابوبکر شبلی ہی کی زبانی ایک بڑا

---

[1] عوارف ۔ ۳۰۸ ۔ [2] رسالۂ قشیریہ ۔ ۲۲۶ ۔

طولانی قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے آپ کے دو ا ور سفرون کا پتہ چلتا ہے

اُس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دار السّلام بغداد مین ابو عبداللہ اُندلسی نام ایک بڑے صاحب علم و فضل ولی اللہ تھے۔ جو قرآن مجید کی تمام قرأتون سے واقف اور ۳۰ ہزار حدیثون کے حافظ تھے۔ وہ ایک مرتبہ معتقدین اور اہل باطن احباب کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ سفر کو نکلے۔ ہمراہیون مین جنید بغدادی اور شیخ ابو بکر شبلی بھی تھے۔ ارض شام کے ایک گاؤن مین پہونچ کے اُنھون نے مسیحیون کی صنم پرستی دیکھی۔ اور اُنھین ذلت کی نظر سے دیکھا۔ اسی اثنا مین کسی کنوین پر رئیس قریہ کی بڑی جمال لڑکی پر جو رومی الاصل تھی نظر پڑی اور عاشق ہو گئے۔ کُل ہمراہیون کو چھوڑ کے اور سب کو واپس کر کے شادی کا پیام دیا۔ جواب ملا کہ جسے اِس نازنین کی آرزو ہو دین مسیحی اختیار کرے۔ گرجون کی خدمت کرے۔ اور سُور چرائے۔ ابو عبداللہ موصوف نے سب شرطین منظور کر لین۔ اور عیسائی ہو کے سُور چرانے لگے۔

ایک زمانے کے بعد شیخ ابو بکر شبلی شیخ موصوف کے چند مریدون کے ساتھ پھر اُس گاؤن مین پہونچے اور اُنھین اِس ابتر حالت مین پایا کہ دین سے مس نہین۔ قرآن و حدیث بھول گئے۔ علم و فضل رخصت ہو گیا۔ اور عیسائیون کی ٹوپی پہنے ہوئے سُور چرا رہے ہین۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی مین۔ رحمت الٰہی سے دور۔ کفر و شرک مین مبتلا۔ اور عبرت روزگار باور کرتے ہین۔ ان سب لوگون نے واپسی کی درخواست کی تو اُنھون نے کہا "خدا کو جو کچھ منظور رہے وہی ہوگا۔ تم اِس مین دخل نہ دو" اور اپنی حالت پر روئے۔

حضرت ابوبکر شبلی مع اپنے ہمراہیون کے واپس روانہ ہوئے تو شیخ ابوعبداللہ
اُندلسی نے درگاہ باری تعالی مین دعا کی جو قبول ہوئی۔ اور نور ایمان سینے مین
چمکا۔ آکے تیسرے دن حضرت ابوبکر شبلی سے مل گئے غسل کر کے پاک کپڑے پہنے
عبادت کی۔ اور پھر اُن مین وہی اگلا سا علم و فضل اور زہد و تقوی موجود تھا۔
اُنھون نے بیان کیا کہ مسیحیون کی صنم پرستی دیکھ کے میرے دل مین غرور اور
خود پرستی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اُسی کی مجھے یہ سزا ملی کہ اُنھین کے فتنہ مین مبتلا کیا گیا"
اِس کے بعد وہ بغداد مین واپس آکے اپنی خانقاہ مین مقیم ہوئے۔ اور پھر وہی
ذوق و شوق اور عبادت و ریاضت کی صحبتین قائم ہو گئین۔

اُن کو واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک دن کسی نے دروازے
پر دستک دی حضرت ابوبکر شبلی نے جو اُس وقت صحبت مین موجود تھے دروازہ
کھولا تو دیکھا کہ ایک عورت سیاہ چادر مین لپٹی ہوئی کھڑی ہے اور کہتی ہے کہ
شیخ سے کہو جس لڑکی کو آپ فلان گاؤن مین چھوڑ آئے تھے حاضر ہے" اُس کے آنے کا
حال سُن کے شیخ ابوعبداللہ اُندلسی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ بلوا کے حال پوچھا تو اُسنے
کہا کہ آپ کے چلے آنے کے بعد میری بیتابی اور اُلجھن بڑھی۔ ایک محترم پیر مرد نے
خواب مین آکے ہدایت کی کہ تو شیخ ابوعبداللہ کی پیروی کر اور مسلمان ہو جا چنانچہ
مین اُن کی تلقین سے مسلمان ہوئی۔ پھر اُنھون نے میری آنکھین بند کرائین۔
اور ہاتھ پکڑ کے دو قدم چلے۔ تھوڑی دیر مین اُنھون نے مجھے یہان جلد کے کنارے
لا کے کھڑا کر دیا۔ اور اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے شیخ کی خانقاہ ہے۔ اور تم
جاتا تو کہنا کہ خضر نے آپ کو سلام کہا ہے" یہ سُن کے شیخ نے اُسے رہنے کو ایک

چہرہ دیا۔ مگر پہلی دفعہ صورت دیکھنے کے بعد پھر کبھی اُس سے نہ ملتے تھے۔ اور وہ شب و روز عبادت و ریاضت مین مشغول رہتی تھی۔ یہان تک کہ بڑی مشہور عابدۂ زمانہ ہوگئی۔

تھوڑے زمانے کے بعد وہ بیمار پڑی۔ اور مرض بڑھتا ہی گیا جب زندگی سے مایوس ہوئی تو شیخ کے پاس کہلا بھیجا "قبل اِس کے کہ مین دنیا سے رخصت ہون ایک دفعہ مجھے اپنی صورت دکھا جایئے" شیخ ابو عبد اللہ گئے۔ اُسے روتے دیکھ کے دلدہی کی۔ اور فرمایا کہ کل یوم القرار مین ہمارا تمھارا ساتھ ہوگا گھبراؤ نہین۔ اِس کے بعد وہ مر گئی۔ کچھ دنون بعد شیخ نے بھی مرض موت مین مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔ اور شیخ ابو بکر شبلی نے خواب مین دیکھا کہ بارگاہ صمدی سے اُنھین ستّر حورین عطا ہوئی ہین۔ اور سب سے پہلے اُن کا عقد اسی رومیہ لڑکی کے ساتھ ہوا ہے[عہ]۔

بس اِس کے سوا آپ کے سفر کا اور کوئی واقعہ ہمین نہین معلوم ہو سکا۔

سماع اور صحبتِ حال و قال

حضرت جنید بغدادی کی طرح آپ بھی باوجود غریق بحر معرفت ہونے اور خود رفتگی کی مستانہ شان رکھنے کے سماع کی نسبت یہی رائے رکھتے تھے کہ نہایت ہی نازک اور خطرناک چیز ہے ایک دن لوگون نے پوچھا کہ "یا حضرت سماع کی نسبت آپ کیا رائے رکھتے ہین؟" فرمایا "اُس کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت۔ لہذا

عہ مستطرف فی کل فن مستظرف۔ جلد اول۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔

جیسے اشارات یعنی رموز باطن میں پوری معرفت حاصل ہو وہی اُس کے ذریعہ سے عبرت حاصل کرنے کا مجاز ہے ورنہ فتنہ میں پڑ جائے گا۔[ل]

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی رائے میں سماع مخصوص اُنھیں لوگوں کے لیے ہے جو اُس کے اہل ہوں۔ اُس کی عام محفلیں گرم کر دینا۔ اور ہر کہ ومہ کے لیے نغمہ وسرود کا دروازہ کھول دینا ہرگز جائز نہیں۔ علی الخصوص جب یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضرت جنید وشبلی کے عہد میں جس قسم کے سماع کو اہل ذوق نے اپنے لیے جائز کیا تھا اُس میں مزامیر اور آلات طرب بھی تھے یا صرف خوش گلوئی کے ساتھ شعر خوانی تھی۔

آپ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ "بعض لوگ گانا سنتے ہیں۔ اور اگرچہ اشعار کا مطلب نہیں سمجھتے مگر حال آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نسبت آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟" جواب میں آپ نے مجنون عامری کے چار شعر پڑھے جو ذوق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اُن سے اس اعتراض کا جواب شافی بھی ایسی خوبصورتی سے حل جاتا ہے کہ اس سے اچھا عنوان جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

رُبّ ورقاء هتوفٍ بالضحیٰ ذاتِ شجوٍ صدحت فی فنن

ہمارے احاطہ میں ایک کبوتر کی آواز آرہی ہے اُس کی آواز میں درد ہے اور ٹہنیوں میں بول رہا ہے۔

وَلَقَدْ تَشْكُو فَمَا أَفْهَمُهَا وَلَقَدْ أَشْكُو فَمَا تَفْهَمُنِي

وہ بھی شکایت کرتی ہے جسے میں نہیں سمجھتا اور میں بھی شاکی ہوں جو اُس کی

ل عوارف- ۱۴۵- درسالہ قشیریہ- ۳۶

سمجھ مین نہین آتی۔

غَیْرَ اَنِّیْ بِالْھَوٰی اَعْرِفُھَا وَھُوَ اَیْضًا بِالْھَوٰی تَعْرِفُنِیْ

سوا اس کے کہ عشق کے تعارف کرانے سے مین اُسے پہچانتا ہون۔ علیٰ ہذا القیاس وہ مجھے عشق کے ذریعہ سے پہچانتی ہے۔

ذَکَرْتُ الفُؤَادَ دَھْرًا صَالِحًا فَبَکَیْتُ شَجْوًا وَھَاجَتْ شَجَنِیْ

وہ محبت اور اچھے زمانے کو یاد کرکے درد سے روئی اور میرے غم کو حرکت دے دی۔[۱]

آپکے اِس ذوق وشوق کا یہ اثر تھا کہ آپ کے عالی مرتبہ اور صاحب علم و فضل تلامذہ بھی سماع کے نہایت ہی دلدادہ تھے۔ چنانچہ ابو القاسم نصرآبادی کا شمار بھی اِسی قسم کے صاحبان ذوق مین تھا۔ وہ آپ کے اعلیٰ درجے کے اصحاب مین تسلیم کیے جاتے تھے۔ علم حدیث اور کثرت روایت مین شہرت رکھتے تھے۔ اور اپنے عہد مین شیخ خراسان مشہور تھے۔ مگر باوجود اِن کمالات ظاہری کے اُنھین سماع مین بہت دلچسپی تھی۔ یہان تک کہ ایک دن اُن مین اور ابو عمرو بن نجید مین جو ابو عثمان حیری کے اصحاب و تلامذہ مین تھے اور جنید بغدادی کی آنکھین دیکھے ہوئے تھے کسی صحبت مین تکرار ہو گئی۔ ابو عمرو نے اُنھین سماع اور نغمہ وغیرہ مین منہمک ہونے پر الزام دیا۔ نصرآبادی نے جواب مین کہا "مین بے شک ملزم ہون اور آپ کا کہنا سچ ہے مگر جس صحبت مین ایک شخص تو قول مُباح کہتا ہو اور باقی سب خاموش ہون اُس محفل سے اچھی ہے جس مین غیبتین کی جاتی ہون"[۲]

---

[۱] نفحات الانس۔ ۱۷۵۔ [۲] عوارف۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔

اِس کے متعلق ہمین کوئی محاکمہ کرنے کی ضرورت نہین۔ لیکن اِس واقعہ سے ضمناً اتنا ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ اُس وقت کے سماع کی صحبتون مین صرف ایک مغنّی گانے والا ہوتا تھا اور اُس کے ساتھ کوئی اور آواز نہین سُنی جاتی تھی۔ اگر مزامیر یعنی طنبورے اور ڈھولک کے قسم کی کوئی چیز ہوتی تو ابوالقاسم نصرآبادی یہ نہ کہہ سکتے کہ "ایک شخص تو قول مباح کہتا ہو اور باقی سب خاموش ہون" لہذا وہ غنا صرف شعرخوانی سے عبارت ہے نہ نغمۂ وسرود سے جیسا کہ اکثر عوام مین خیال کیا جاتا ہے۔

تعلیم اور طرز تعلیم

آپ کی تعلیم نہایت سخت تھی۔ اور اس قدر دشوار کہ بہت کم لوگ اُس کے متحمل ہوسکتے ہون گے۔ لیکن مدرسۂ باطن کی تعلیم ہوتی ہی سخت ہے۔ کیونکہ ہاتھ پاؤن اور تمام اعضا وجوارح کو کسی کام سے روک کے اپنے قابو مین لانا اتنا مشکل نہین جس قدر کہ دل کو صرف ایک طرف متوجہ رکھنا اور خیال کو اِدھر اُدھر جانے سے روکنا ہے۔ اگر ہم اپنے نفوس کا اندازہ کرین تو دل پر ایسا قابو حاصل کرنا ہمارے نزدیک منجملۂ محالات نظر آتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی نے اپنے مدرسۂ باطن مین اپنے وقت جیسی جیسی سخت ریاضتین آپ سے کرائین اُن پر کاربند ہونا اور اُن کو بجالانا سچ یہ ہے کہ آپ ہی کا کام تھا۔ ورنہ ہماری تو اتنی مجال نہین کہ نفس انسانی کو یون زنجیر مین بند کرکے اپنا مطیع ومنقاد بنالین۔ لیکن یہان آپ نے معیار خداپرستی انتہا سخت

قرار دیا تھا وہاں خدا نے آپ کو مرید اور عقیدت کیش بھی ایسے سچے صاحب خلوص اور دُھن سے پکّے دیے تھے کہ ہر طرح کی ریاضت و نفس کُشی کرنے پر آمادہ ہو جاتے اور چاہے کیسی ہی زحمت و مصیبت کا سامنا ہو تا مرشد کا حکم بجالانے مین کوتاہی نہ کرتے۔ دراصل اُس زمانے کی یہی خیر و برکت تھی جس نے ہر علم و فن مین ایسے ایسے باکمال پیدا کر دیے جیسے کہ اسلام کو پھر کم نصیب ہوئے۔

ابو العباس دامغانی کو جو آپ کے مریدین مین تھے آپ نے ہدایت فرمائی کہ "خلوت اختیار کرو۔ لوگون مین سے اپنا نام مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہان تک کہ اسی حالت مین موت آجائے"[۱]۔ ایک بار مریدون کو نصیحت فرمائی کہ "پرہیزگاری تین طرح کی ہے۔ (۱) زبان سے۔ (۲) ارکان۔ (اعضا و جوارح) سے (۳) اور دل سے۔ زبان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ جس امر سے کچھ تعلق نہ ہو اُس مین انسان خاموش رہے۔ ارکان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ شبہات چھوڑ دیے جائین اور جو چیز شکوک پیدا کرتی ہو اُسے چھوڑ کے اُس چیز کی طرف رجوع کیا جائے جس مین شک و شبہ نہین۔ اور دل کی پرہیزگاری یہ ہے کہ ذلیل و حقیر ارادون اور بُرے خیالات سے پیچھا چھڑا لیا جائے"[۲]۔

حصری جو آپ کے مریدان خاص مین تھے جب پہلے پہل مرید ہو کے علم باطن مین مشغول ہوئے تو حضرت ابو بکر شبلی کی خدمت مین ہر جمعہ کو حاضر ہو کے درس حقیقت لیا کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ "ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جبکہ تم میرے پاس آتے ہو اِس اثنا مین اگر خدائے واحد ذو الجلال کے سوا کسی

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۶۷۔ [۲] عوارف۔ ۲۹۴۔

اور کا خیال بھی تمھارے دل مین گذر جائے تو تمھین میرے پاس آنا حرام ہو۔
ایک مرتبہ ایک درویش اپنی ریاضت مین ہارا ہوا اور اپنی زندگی سے بیزار آپ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ "یا حضرت۔ وفاداری دین کا واسطہ میری فریادرسی کیجیے۔ بتائیے کہ اب کیا تدبیر کرون؟ کیا اس راہ حق سے مایوس ہوکے واپس لوٹ جاؤن؟" فرمایا "اے شخص تو تو کفر کے دروازے کی کنڈی کھڑکھڑا رہا ہے۔ کیا نہین سُنا کہ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ؟ (رحمت الٰہی سے نا امید نہ ہو) یہ سُنتے ہی اُس نے کہا "ہان اب مجھے اطمینان ہوا۔" اُس کی زبان سے یہ کلمات سُن کے آپ نے فرمایا "ہائین! حضرت جل وعلا کو آزماتا ہے؟ کیا نہین سُنا کہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون" (سوا بدنصیب زیان کارون کے کوئی شخص اللہ کے مکر سے بے پروا نہین ہے) بولا "پھر آپ ہی فرمائیے کہ مین کیا کرون؟" ارشاد ہوا "جا حضرت عزاسمہ کے دروازے پر سر ٹپک یہان تک کہ دم نکل جائے۔ شاید آواز آجائے کہ من بالباب" (دروازے پر کون ہے؟)
اس سے بخوبی روشن ہے کہ جس منزل باطن مین آپ اپنے مریدون کو لیجانا چاہتے تھے وہ کس قدر دشوار اور کٹھن تھی۔ اور کیونکر نہ ہو اسی راستے کو بڑی سخت آزمائشون اور دشوار سے دشوار ریاضتون سے خود آپ نے طے کیا تھا۔ غرض حضرت جنید نے جس قسم کی نفس کُشیان آپ سے کرائی تھین ویسی ہی نفس کُشیان آپ اپنے مریدون سے کراتے۔ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت مین حاضر ہوکے اور توبہ کرکے طالب حق ہوتا

عــه طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۰۔ رسالۂ قشیریہ۔ ۲۳۱۔ عــه تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۰۔

تو آپ اُس سے فرماتے جنگل میں جا۔ توکّل اختیار کر۔ اور تمام امور سے مجرد ہونے کے بعد خانۂ کعبہ کا حج کرکے آ تب تُو میری صحبت کے قابل ہوگا" یہ کہنے کے بعد بغیر کسی زاد راہ اور سواری کے اُسے اپنے ہم صحبتوں کے ساتھ جنگل کی طرف روانہ کردیتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ "آپ تو خدا کی مخلوق کے ہلاک کرنے کا بند و بست کر رہے ہیں" فرمایا "نہیں۔ میرے پاس جو آتا ہے اُس کی غرض خُدا شناسی ہوتی ہے۔ میری مصاحبت کے لیے کوئی نہیں آتا اور اگر بالفرض اُسکے دل میں میری خدمت ہی کا خیال ہے تو پھر یہ بُت پرستی ہے۔ اور اس سے تو وہ میرے پاس آنے سے پہلے ہی اچھا تھا۔ کیونکہ موحّد فاسق زاہد راہبوں سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور جب معلوم ہوگیا کہ ان لوگوں کی غرض جستجوئے حق ہے تو پھر کوئی اندیشہ نہیں۔ اس راہ میں ہلاک ہوگئے تو بھی سمجھو کہ فائزالمرام ہوگئے لیکن اگر یہ سب مصیبتیں جھیل کے واپس آگئے تو اس سفر کی تکلیفیں اُنھیں ایسا استوار بنا دیں گی کہ یہاں ٹھہر کے اگر دس سال تک مجاہدہ کرتے تو بھی اتنے درست نہ ہوتے"۵ اس ارشاد سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ آپ کیسی سخت ریاضت کراتے تھے۔ اور جو شخص آپ کے حلقۂ ارادت میں شریک ہوجاتا تھا اُس کی کتنی جلد اصلاح ہوجاتی تھی۔

جو مرید آپ کی خانقاہ میں حاضر رہتے اُن سے بھی تھوڑی ہی نفس کُشی نہیں کرائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنی خانقاہ سے نکل کے مریدوں میں تشریف لائے جن کا شمار چالیس تھا۔ اور ان سے فرمایا "لوگو!

۵ تذکرۃ الاولیا۔ ۱۹۵۔

اللہ جل شانہ بندون کے رزق کا کفیل ہے۔ اور فرماتا ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو پرہیزگاری کے ساتھ اُسکی طرف رجوع کرے اُس کے لیے سبر کے ذریعے کھولتا۔ اور وہان سے رزق دیتا جہان سے ملنے کا اُسے خیال بھی نہ تھا۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہی اُس کے لیے کافی ہے) آپ کی ہدایت سُن کے سب نے توکل اختیار کرلیا۔ اُسی اللہ جل شانہ سے لَو لگائی۔ اور سب طرف سے توجہ ہٹالی۔ آپ اُنھین اِس عہد کا پابند کر کے واپس چلے آئے۔ اور اُن کی یہ حالت ہوئی کہ تین دن گزر گئے۔ اور کھانے کو کچھ نہ ملا تیسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے اور فرمایا" لوگو! اللہ جل شانہ نے سبب کو بندون کے لیے مباح کیا ہے۔ اور فرماتا ہو هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (وہ اللہ وہ ہو جس نے زمین کو تمھارے سامنے عاجز و ذلیل بنا دیا۔ لہذا اُسکے راستون مین چلو اور اُس کے رزق کو کھاؤ) اس لیے اب مناسب ہے کہ جو شخص تم مین سب سے زیادہ نیک نیت ہو اِس عزلت گاہ سے نکل کے جائے اور تلاش معاش کرے۔ شاید کچھ قوت اُس کے ذریعے سے تمھین حاصل ہو جائے" چنانچہ سب نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ اُس نے جا کے شرقی وغربی[1] بغداد مین چکر لگایا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تین دن کا بھوکا تھا۔ اور نہایت ہی ناتوان ہو رہا تھا۔ اسقدر پھرنے سے ضعف اور بڑھا۔ اور چلنے سے معذور ہو گیا۔ آخر مجبوراً ایک نصرانی

[1] بغداد کے دو حصے تھے ایک جو دریائے دجلہ کے مشرق جانب آباد تھا۔ اور دوسرا جو اُسکے مغرب جانب۔ تھا یہ دونون حصے شرقی غربی بغداد کے نام سے مشہور تھے۔

طبیب کے مطب کے پاس جا کے بیٹھ گیا۔ یہان خلقت کا ہجوم تھا۔ ہر مرض کے مریض جمع تھے۔ اور حکیم صاحب علاج کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردون کو مخاطب کر کے دواؤن کے افعال و خواص بیان کرتے جاتے تھے۔ جب بھیڑ چھنٹی اور مجمع کم ہوا تو حکیم صاحب کی نظر اِس شکستہ پا فقیر پر پڑی شفقت کی نظر سے دیکھ کے پوچھا "تھین کیا شکایت ہے؟" یہان مانگنے کی عادت تو تھی نہین، اور پھر مانگنا بھی ایک غیر مذہب شخص سے۔ زبان نے عرض حال کی یاری نہ دی مگر ایک بے اختیاری کی حرکت سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ طبیب نے نبض دیکھی۔ اور دل مین سمجھ گیا۔ کہا "تمھارا مرض معلوم ہوا۔ اور اُس کی دوا بھی جانتا ہون۔ مگر ذرا صبر کرو۔" پھر اپنے غلام کو بُلا کے حکم دیا کہ بازار سے جا کے ایک رطل روٹی۔ ایک رطل بُھنا ہوا گوشت۔ اور ایک رطل حلوا لے آؤ۔" جب غلام ان چیزون کو لایا تو حکیم صاحب نے اُنھین درویش کے حوالے کر کے کہا "تمھاری دوا یہ ہے۔" فقیر نے کہا "آپ نے مرض تو خوب تشخیص کیا مگر مجھے اتنا اور عرض کر دینا چاہیے کہ اِس مرض مین چالیس آدمی مبتلا ہین۔" دریا دل طبیب نے فوراً غلام کو بھیج کے مذکورہ غذاؤن مین سے ہر ایک چیز چالیس چالیس رطل کی مقدار مین منگوائی۔ پھر اُن سب چیزون کو خوان مین لگا کے ایک مزدور پر لدوایا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص جہان لے جائے۔ اِن چیزون کو ساتھ جا کے پہونچا آ۔" غرض حضرت شبلی کا یہ مرید خاص خداوند جل وعلا کی عطا کی ہوئی اِن نعمتون کو لیے ہوئے اُس عزلت گاہ مین پہونچا جہان آپ اپنے اُنتالیس مریدون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مصروف ذکر الٰہی تھے۔ آپ اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنی خلوت گاہ سے باہر نکل آئے۔ کھانے کو

دیکھا اور فرمایا "اس کھانے کا عجیب بھید ہے" پھر اُس مرید سے ساری گزشتہ سُنی۔ اور جب وہ بیان کر کے خاموش ہوا تو فرمایا "کیا تم لوگ راضی ہو گا کہ ایک نصرانی کا کھانا کھاؤ؟ اور کچھ معاوضہ نہ کرو؟" سب نے عرض کی کہ "یا حضرت اس کا معاوضہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا "اُس کے حق مین دُعائے خیر کرو" آپ سب نے ہاتھ اُٹھا کے اُس کے لیے ہدایت اور خیر و برکت کی دُعا کرنا شروع کی۔ اتفاقاً وہ نصرانی طبیب بھی اِن مریضانِ توکل کی حالت دیکھنے کے لیے اِس مرید کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ اور یہان باہر کھڑے ہو کے ایک روشن دان مین سے جھانک کے اِن سب کیفیتون کو دیکھ رہا تھا۔ جب اِن لوگون کی اصلی حالت دیکھی تو نہایت متاثر ہوا۔ اور جب سب نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو ضبط نہ ہو سکا آ کے دروازے پر دستک دی۔ اور جیسے ہی دروازہ کھُلا بے تحاشا دوڑ کے سامنے آیا کلمۂ شہادت پڑھ کے حضرت شیخ شبلی کے ہاتھ پر بیعت کی اور دینِ اسلام مین شامل ہو گیا۔ اس وقت دُعا کے فوراً مقبول ہونے کی ایسی حیرت انگیز تصویر نظر آئی کہ سب کو اللہ جل شانہ کی قدرت کا علم کا عین الیقین ہو گیا۔ یہ طبیب اس کے بعد نہایت ہی سچا اور خالص العقیدہ مسلمان ثابت ہوا اور حضرت شبلی کے مریدون مین داخل رہا۔

ایک شخص آپ کی صحبت مین اکثر شریک ہوتا اور آپ کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ اُس نے ایک دن عرض کیا کہ چاہتا ہون آپ کے ہاتھ پر توبہ کرون۔ فرمایا اُپنا مال بیچ ڈال۔ اپنے قرض کا تصفیہ کر۔ اپنی بی بی کو طلاق دے۔

ــه روض الریاحین۔ یافعی۔ ۱۱۴۔

اپنے بچون کو یتیم بنا دے۔ اور اُن کو اپنے تعلقات سے یہان تک مایوس کر دے کہ تجھے مُردون مین شمار کرین۔" اُس شخص نے اِن سب باتون پر عمل کیا۔ اور کچھ تھوڑا سا قوت لا یموت لے کے حاضر ہوا۔ فرمایا "یہ جو لائے ہو اِسے فقرا کے آگے ڈال دو۔ اور اُن کے ساتھ بیٹھ کے کھاؤ۔"

اِن باتون پر اکثر اہل ظاہر کو اعتراض ہو لیکن سچ یہ ہو کہ اِس قسم کے اعتراضات عموماً غلط فہمیون پر مبنی ہوا کرتے ہین جن علما نے اِن باتون پر حضرت ابوبکر شبلی یا دیگر ارباب باطن کو الزامات دیے ہین اُن کی بنیاد صرف یہ امر پر ہے کہ جن چیزون کو حضرت شارع علیہ السلام نے مباح اور حلال کیا ہے اُنھی کو یہ بزرگ کسیون کو روکتے اور منع کرتے ہین۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتین عطا فرمائی ہین اُن کو شکر گزار ہو کے قبول کرنا درکنار یہ لوگ اپنی رائے سے بغیر کسی حجت شرعی کے ممنوع قرار دیتے ہین۔ چنانچہ انھین وجوہ سے کبھی تو وہ کہتے ہین کہ یہ بزرگ شرک فی الرسالت مین مبتلا تھے۔ جو حق صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا خود اپنے لیے کر لیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس اصول کے مطابق کہ خدا اور رسول کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرنا کفر ہو اِن پاک سیرت خدا پرستون کی نسبت کفر کا فتوے دیتے ہین۔ لیکن غور سے دیکھا اور ذرا عقل سے کام لیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ معترضین خود ہی نا سمجھی اور غلطی مین مبتلا ہین۔

اِن بزرگون نے کبھی کسی حلال چیز کی نسبت نہین کہا کہ وہ ناجائز یا حرام ہے

ــــه تلبیس ابلیس۔ ذکر نبذة من کلامهم فی القرآن۔

اور نہ کسی حرام چیز کو کبھی حلال بتایا۔ اُنھون نے صرف اپنے مدرسے کے طلبہ اور اپنے فن کے سیکھنے والون کو یہ سبق دیا کہ گو خدا کی ہزارون نعمتین حلال طیب ہین۔ مگر روحانی ترقی اور صفائے باطن کے لیے اِن اِن چیزون سے احتیاط کرنے کی ضرورت ہی۔ کیونکہ جب تک غذا مین اتنی تقلیل نہ کی جائے اور نفس کو موٹا کرنے والی چیزون سے ہاتھ نہ روکا جائے کوئی شخص نہ روحانی قوت حاصل کر سکتا ہی اور نہ نفس کو قابو مین لا سکتا ہی۔ لہذا اِن کے دربارِ فیض کا جواز و عدم جواز شرعی حلت و حرمت سے کوئی واسطہ نہین رکھتا۔ بلکہ وہ خاص قسم کا پرہیز ہے جس کو شریعت یا ثواب آخرت سے تعلق نہین۔

اور اگر ایسے پرہیز کرانے ہی سے انسان کافر ہو سکتا ہے تو سب سے بڑے کافر (معاذ اللہ) ہمارے اطبا اور ڈاکٹر ہون گے جو روز بلا ناغہ مریضون کے لیے ہزارہا چیزین حرام اور ہزارہا جائز کیا کرتے ہین۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ طبیبون اور ڈاکٹرون کو ان علمائے ظاہر نے کبھی الزام دیا اور نہ اُن کی نسبت اِس بنیاد پر کبھی کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا گیا۔ اصل حقیقت یہ ہی کہ صوفیۂ کرام جو احتیاطین اور جس قسم کے پرہیز بتایا کرتے ہین وہ شرعی حیثیت سے نہین بلکہ روحانی طبیب ہونے کی حیثیت سے ہین۔ ہم سمجھتے ہین کہ ہمارے اِس بیان سے تمام غلط فہمیان دور ہو گئی ہون گی۔ اور موجودہ اہل حدیث جو اِن بزرگان با صفا پر بیجا ہر طرح کے اعتراض کیا کرتے ہین اس سے باز آ جائین گے۔

اب ہم حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی اُن تعلیمون کو بتاتے ہین جو آپ کا سلسلہ پند و نصائح کی حیثیت سے ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور جن سے دنیا آج تک

تک فائدہ اُٹھائے رہے گی۔ کیونکہ اِن تعلیمون مین بڑے بڑے دقیق مسائل، اعلیٰ درجہ کی حکمتین۔ اور دینی و اخلاقی نصیحتین مستتر ہین۔ اور انسان جس قدر زیادہ غور کرے گا اُسی قدر زیادہ اُن سے لُطف اور فائدہ اُٹھائے گا۔

لوگون نے ایک دن پوچھا "حضرت توحید کیا ہے؟" اس کا جواب آپ نے عجیب و غریب جوش و جلال کے الفاظ مین یہ دیا کہ "جو اُس سے تعبیر کرے (یعنی توحید کو الفاظ مین بیان کرے) مُلحد ہے۔ جو اُس کی طرف اشارہ کرے وہ ثنوی (یعنی دو خداؤن کا ماننے والا) ہے۔ جو اُس کی طرف رجوع کرے وثنی (یعنی بُت پرست) ہے۔ جو اُس سے گفتگو کرے غافل ہے۔ جو اُس سے ساکت رہے جاہل ہے۔ جس کے دل مین یہ وہم ہو کہ پہونچ گیا۔ اُسے سمجھو کہ کچھ نہین حاصل ہوگا۔ جو اُس سے قریب ہونے کا دعوےٰ کرے وہ دور ہے۔ جو گمان کرے کہ اُسے پا لیا وہ اصل مین کھونے والا ہے۔ جو کچھ تم نے اپنے اوہام سے ممیز کیا۔ اور جو کچھ اپنے پورے معانی سے تم نے پایا وہ حقیقت سے ہٹا ہوا ہے اور تمھاری ہی طرف واپس آتا ہے۔ اور وہ سب تمھارا ہی ایسا حادث و مصنوع ہے۔"عہ

فرماتے تھے "جو شخص علم توحید سے ذرہ برابر بھی مطلع ہو گیا وہ اُس کے بوجھ کے سبب سے جسے اُٹھائے ہوئے ہے باقی تمام چیزون کے برداشت کرنے سے عاجز و ناتوان ہے۔ اور جسے خیال گزرا کہ اُسے توحید حاصل ہو گئی اُس نے یہ سمجھو کہ توحید کی بو بھی نہین سونگھی۔"عہ چنانچہ خود اپنی نسبت بھی باوجود اِس اعلیٰ مرتبۂ عرفان کے فرماتے تھے کہ "جب مین یہ گمان کرون کہ مین نے اُسے کھو دیا۔

عہ عوارف – ۱۳ –   عہ رسالۂ قشیریہ – ۱۷۷–۱۷۸ –

توسمجھو کہ اُس وقت مین نے پالیا۔ اور جب مین یہ خیال کرون کہ مین نے پالیا تو جانو کہ درحقیقت مین نے کھو دیا"۔ کبھی فرماتے کہ "جس نے اللہ جل شانہ کو اُسی سے طلب کیا اُس کی توحید صحیح ہوئی اور جس نے اپنے نفس سے طلب کیا اُس کی توحید ٹھیک نہین"۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا "جانتے بھی ہو کہ تمھاری توحید کیون درست نہین؟" اُس نے عرض کیا "نہین"۔ فرمایا "اِس لیے کہ تم اُسے اپنی ذات سے طلب کرتے ہو"۔ نیز فرمایا "توحید تجھ سے اِس لیے نہین بن پڑتی کہ تو اُسے اپنی طرف طلب کر رہا ہے۔ اور جس کے پاس توحید صورت نہین پیدا کرتی وہ کبھی توحید کی بُو تک نہ سونگھے گا"۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "توحید موحد کی صفت ہے حقیقۃً اور اُسکا زیور ہے رسماً"۔ پھر ایک مرتبہ جوش مین آکے فرمایا "توحید موحد کا ایک حجاب ہے جمال احدیت سے"۔

تصوف کی نسبت بھی آپ کی دقیقہ سنجیان اور وہ جواہر معرفت جنھین آپ بحر عرفان مین غوطہ لگا کے نکال لائے ہین بہت ہی پُرلطف اور محفوظ رکھنے کے قابل ہین۔ فرمایا "تصوف ایک جلا دینے والی بجلی ہے"۔ کسی اور موقع پر فرمایا "تصوف اللہ کی صحبت مین بے غم ہو کے بیٹھنے کا نام ہے"۔ ایک مرتبہ ارشاد ہوا "تصوف یہ ہے کہ انسان ایسا رہے جیسا کہ وجود (عالم ہستی) مین آنے سے پہلے تھا"۔ کسی صحبت مین یہ ارشاد ہوا کہ "تصوف نگاہ رکھنا قلوب یعنی حواس کا اور نگاہ رکھنا انفاس کا ہے"۔ کبھی جوش مین آکے یہ کہہ دیا "تصوف شرک ہے۔ کیونکہ تصوف

عـ٥ عوارف-١٢٢- عـ٦ طبقات الکبریٰ-١٢٣- عـ٧ طبقات الکبریٰ-١٢٣- عـ٨ تذکرۃ الاولیاء-١٧٠- عـ٩ رسالہ قشیریہ-١٧٧- عـ١٠ تذکرۃ الاولیاء-١٠٧- عـ١١ رسالہ قشیریہ-١٦٦-

دل کی نگہبانی ہو غیر سے اور "غیر" میں "یعنی خودی کا خیال ہے"[عہ] ایک مرتبہ فرمایا "تصوف یہ ہے کہ انسان آپ نو ہستی کے دیکھنے سے باز رکھے"[عثہ]

صوفی کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ "وہ خلقت سے منقطع اور راللہ سے متصل ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ واصطفیتک لنفسی (تجھے میں نے اپنے نفس کے لیے اختیار کیا) یعنی ہر غیر (ماسوی اللہ) سے قطع کر دیا۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ "لن ترانی" (نہ دیکھے گا تو مجھے) ایک اور موقع پر آپ نے صوفیوں کی یہ صفت و حالت بیان کی کہ "صوفی بچے ہیں حق کے گود میں"[سہ] کسی نے پوچھا "صوفیہ کا نام صوفی کیوں رکھا گیا؟" فرمایا "اس لیے کہ اُن میں کچھ خودی باقی رہ گئی ہے یہ بات نہ ہوتی تو اُن کا کچھ نام ہی نہ رکھا جاتا"[سہ] ایک موقع پر یہ فرمایا کہ صوفی اُس وقت صوفی ہوتا ہے جب ساری خلقت کو اپنے عیال خیال کرے[عہ] یعنی سب کا کفیل و باربردار سمجھے[للعہ] نیز فرمایا کرتے "صوفی خلقت کے دیکھنے سے معصوم (محفوظ) ہو جاتا ہے"[صہ]

لوگوں نے پوچھا کہ فقیری کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا "یہ کہ سوا خدا کے اور کسی چیز کے ذریعے سے غنیٰ نہ حاصل کرے"[سہ] چنانچہ اسی امر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ایک مرتبہ یوں فرمایا "فقر کی ادنیٰ علامت یہ ہو کہ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ میں ہو۔ پھر اُسے وہ ایک ہی دن میں خیرات بھی کر دے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر اُس کے دل میں یہ خیال گزر گیا کہ اپنے لیے میں نے

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۷۰۰ و ۷۰۱۔ عثہ رسالہ قشیریہ۔ ۱۶۶۔ سہ طبقات الکبری ۱۲۴۔

للعہ تذکرۃ الاولیا۔ ۷۰۱۔ صہ رسالہ قشیریہ۔ ۱۶۶۔ سہ عوارف۔ ۲۹۸۔

ایک دن کا قوت لایموت رکھ لیا ہوتا تو اُس کا فقر سچا نہیں۔ یونہیں ایک اور موقع پر کسی نے اسی فقیری کے مسئلہ کو پوچھا فرمایا "فقر یہ ہے کہ سوا ذات باری تعالیٰ کے کسی دولت کی آرزو نہ ہو۔"

محمد بن عبد الوہاب کا بیان ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے معرفت کی نسبت سوال کیا فرمایا" اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ ہے اور انتہا کی کوئی حد و نہایت نہیں۔" نیز ارشاد فرماتے ہیں "عارف اُس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اور نہ اُس کے سوا کسی کے کلام کو زبان پر لاتا ہے۔ اور نہ سوا اللہ جل شانہ کے کسی کو اپنی ذات کا محافظ خیال کرتا ہے۔" ایک دفعہ فرمایا "عارف کا وقت بھی گویا موسم بہار ہے۔ بادل گرجتا ہے۔ ابر برستا ہے۔ کوندا چمکتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ پھول کھلتے ہیں۔ بُلبل چہچہاتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح عارف کی آنکھ روتی ہے۔ لب ہنستے ہیں۔ دل جلتا ہے۔ سر ہلتا ہے۔ ہمیشہ دوست کا نام لیتا ہے۔ اور اُس کے دروازے پر چکر لگاتا ہے۔" ایک دفعہ ارشاد ہوا "عارف وہ ہے کہ کبھی تو ایک مچھر کی تاب نہ لا سکے۔ اور کبھی ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ایک پلک کی نوک پر اُٹھائے۔" معرفت کے متعلق اپنے سچے جذب و جوش کو زیادہ محسوس منظر میں لا کے فرماتے ہیں "عارف وہ ہے کہ دُنیا کی اِزار بنائے۔ اور آخرت کی چادر۔ پھر دونوں کو اُتار کے اللہ جل شانہٗ کے ساتھ منفرد ہو جائے۔" اِس کے بعد معرفت کی نوعیتوں کی تصریح فرماتے ہیں کہ "معرفت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) معرفت حق تعالیٰ کی۔ یہ محتاج ذکر الٰہی کی ہے

ل رسالۂ قشیریہ۔ ۱۶۱ و ۱۶۲ سے طبقات الکبریٰ۔ ۳۔ ۱۲ سے رسالۂ قشیریہ۔ ۱۸۶۔

(۲) معرفت نفس کی۔ یہ محتاج ہے فرائض دینی ادا کرنے کی۔ (۳) معرفت باطن کی۔ اور یہ محتاج ہے اِس بات کی کہ انسان اُس کے احکام اور قضا و قدر پہ راضی یعنی راضی برضا ہو جائے"[عہ]

محبت چونکہ تصوف اور کمال باطن کی سیڑھی اور رمز شناسی کی جان ہے اس لیے فرماتے ہیں "محبت یہ ہے کہ محبوب جو چاہے اُس کو اختیار کر گو بالذات تجھے اُس سے نفرت ہو۔ اور جس چیز سے محبوب کو نفرت ہو اُسے چھوڑ دے اگرچہ تجھے اُس سے اُنس و اُلفت ہو"[عہ] منصور بن عبد اللہ نے حضرت ابو بکر شبلی کو یہ فرماتے سُنا "محبت یہ ہے کہ تجھ میں اِس بات کا جوش رقابت پیدا ہو کہ تجھ سا کوئی اور شخص بھی اُس سے محبت کرتا ہے" ایک موقع پر ارشاد فرمایا "محبت کا نام محبت اِس لیے رکھا گیا کہ سوا محبوب کے سب چیزوں کو دل سے مٹا دیتی ہے"[عہ] ایک دفعہ فرمایا "مجنون عامری سے لوگوں نے پوچھا "تمھیں لیلیٰ سے محبت ہے؟" کہا "نہیں" پوچھا "کیوں؟" کہا "محبت ذریعۂ وصل ہے۔ اور یہاں ذریعہ ہی درمیان سے ساقط ہو گیا۔ کیونکہ میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہے"[عہ] یہ ہے وہ محبت جسے آپ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور جو آپ کے الفاظ و افعال سے بار بار جھلک اُٹھا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے محبت کی نسبت سوال کیا تو فرمایا كَأْسٌ لَهَا وَهَجٌ اِذَا اسْتَقَرَّ فِي الْحَوَاسِ وَسَكَنَ فِي النُّفُوْسِ تَلَاشَتْ[عہ] (ایک جام ہے جس میں ایک ایسی گرمی ہے جس نے اگر حواس میں قرار پکڑ لیا اور نفس میں

عہ تذکرۃ الاولیاء ۱۰۱ - عہ عوارف ۳۴۳ - عہ رسالہ قشیریہ ۱۸۹ -
عہ طبقات الکبری ۱۲۰ - عہ عوارف ۲۱۳ -

بھر گئی تو ساری ہستی کو مٹا کے اپنے رنگ مین رنگ دیتی ہے) ایک موقع پر ارشاد فرمایا "محبت یہ ہے کہ جس چیز کو تو دوست رکھتا ہو اُسے محبوب کے لیے خرچ کرے" اور محبت کے اثر کو ان الفاظ مین بتایا کہ "ہیبت دلون کی گھلانے والی ہے۔ محبت کی آگ جانون کی پگھلانے والی ہے۔ اور شوق نفسون کا گلانے والا ہے" زہد و ورع (پرہیزگاری) کی نسبت فرماتے تھے "ورع یہ ہے کہ کل ماسوائے اللہ سے تو پرہیز کرے" علیٰ ہذا القیاس زہد کی نسبت لوگون نے سوال کیا تو فرمایا "زہد یہ ہے کہ کل ماسوائے اللہ سے تو زاہد (کنارہ کش) ہو جائے۔ دوسرے موقع پر فرمایا" زہد یہ ہے کہ تو دُنیا کو بھول جائے اور آخرت کو یاد مین نہ لائے" ایک دفعہ ارشاد ہوا" زہد یہ ہے کہ دل کو اشیا سے خالقِ اشیا کی طرف پھیرے" پھر ایک دفعہ جوش وحدت سے از خود رفتہ ہو کے فرمادیا" زہد غفلت ہے۔ کیونکہ دنیا ناچیز ہے اور ناچیز مین زہد کرنا غافل ہونا ہے" اور سب سے زیادہ آپ کا پُرلطف و پرمغز فقرہ ورع کی نسبت یہ ہے" اَلْوَرَعُ اَنْ تَتَوَرَّعَ اَنْ تَتَشَتَّتَ قَلْبُکَ عَنِ اللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ" پرہیزگاری اِس بات سے بچنے کا نام ہے کہ ایک چشم زدن کے لیے بھی تیرا دل اللہ جل شانہ کی طرف سے نہ ہٹے" اور آخر اُس حضرت رب العزت کی قدرت کاملہ کا لحاظ فرما کے اور دریائے عرفان مین غرق ہو کے فرمادیا "اور سچ تو یہ ہے کہ زہد کوئی چیز ہی نہین ہے۔ کیونکہ دو صورتون سے خالی نہین ہے۔ یا تو انسان اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے پاس نہین ہے تو یہ کنارہ کشی ہی نہین ہے۔ اور یا اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے

سلہ تذکرۃ الاولیا۔ ۱۰۱۔ سلہ رسالہ قشیریہ۔ ۷۔۴۔ سلہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۳۔

پاس ہے۔ تو اُس سے کنارہ کشی کیونکہ ممکن ہے؟ اس لیے کہ وہ تو اُس کے ساتھ اور اُس کے پاس موجود ہے۔ غرض یہ کہ زہد و ورع نفس کی لاف زنی کے سوا کچھ نہین؏؎۔ یہی خیال دوسرے الفاظ مین یون ادا کیا گیا ہے "جو مقدر مین ہے ضرور پہونچے گا۔ اور جو مقدر مین نہین کتنی ہی محنت و مشقت سے کام لو نہ ملے گا۔ پھر زہد کیا ہوا؟؏؎"

ایک شخص نے آ کے کثرت عیال کی شکایت کی۔ نہایت ہی سہولت اور متانت سے فرمایا "ایک کام کرو۔ اپنے گھر مین جا کے دیکھو جس کسی کا رزق خدا کے ذمے نہ ہو اُسے نکال دو؎۔" باوجود اِس حد تک راضی برضا ہونے اور ہر چیز کو اُس احدلم یزل کے قبضۂ قدرت مین سمجھنے کے آپ مین عجیب آزادانہ بانکپن تھا۔ کسی نے کہا "کیا آپ نہین جانتے کہ وہ رحمٰن ہے؟" فرمایا "ہان جانتا ہون۔ لیکن جب سے اُس کی رحمت کو جانا ہے اُس سے رحم کی درخواست نہین کی۔" سائل نے متحیر ہو کے عرض کیا "کیون؟" فرمایا "اس لیے کہ حُرّیت (آزادی) کا مقام زیادہ معزز ہے؏؎۔"

احمد بن محمد بن زید نے ایک دن حضرت شیخ ابوبکر شبلی کی زبان فیض ترجمان سے مندرجۂ ذیل کلمات ہدایت و معرفت سُنتے تھے۔ جو اس قابل ہین کہ آب زر سے لکھے جائین: "عارف کو کسی سے علاقہ نہین۔ محب کو کوئی شکایت نہین۔ خوف زدہ کو کبھی قرار نہین۔ اور اللہ عزوجل سے کسی کو مفر نہین؏؎۔"

عہ عوارف۔ ۲۹۵۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۳۰۷۔ عہ عوارف۔ ۳۱۶۔
عہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۳۰۔ ۱۸۴۔

کسی نے پوچھا "دنیا کیا ہے؟" فرمایا "ایک دیگچی ہے جو جوش کھا رہی ہے اور ایک تھیلا ہے جو بھرا جا رہا ہے"۔ اپنے اہل زمانہ سے کہا کرتے "تم لوگ قبریں ہو" کسی نے عرض کیا "کیوں؟" فرمایا "اس لیے کہ تم میں سے ہر ایک کپڑوں میں دفن ہے"۔ تو اس پر کسی اور نے کہا "تو ہمارا شمار مُردوں میں ہے؟" فرمایا "بے شک عارف سو رہے ہیں۔ اور جاہل مُردے ہیں"۔[1]

ایک شخص نے آپ کے سامنے اپنا یہ شُبہ پیش کیا کہ "دُنیا تو افعال و اشغال کے لیے ہے اور آخرت احوال کے لیے۔ پھر راحت کب ہو گی؟" فرمایا "دُنیا کے اشغال سے دست بردار ہو جاؤ تاکہ آخرت کے احوال سے بھی نجات مل جائے"۔ ایک مرتبہ فرمایا "عبودیت اُٹھ جانا تیری مراد اور ارادے کا ہے اُس جل شانہ کے ارادے کے مقابلہ میں۔ اور تیرے اختیار کا ٹوٹ جانا ہے اُس کے اختیار کے مقابلے میں۔ اور تیری آرزوں کا ترک ہے اُسکی قضا کے مقابلے میں"۔[2]

فرماتے ہیں "غیرتیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) غیرت بشریت نفسوں پر (۲) اور غیرت الٰہی دلوں پر"۔ اس کی بعد تصریح فرماتے ہیں کہ نفسوں پر غیرت الٰہی یہ ہے کہ کل ماسوی اللہ کو تو ضائع کر دے۔[3] علیٰ ہذا القیاس ارشاد فرمایا ہے کہ "دعوتیں تین ہیں۔ (۱) دعوت علم (۲) دعوت معرفت۔ (۳) دعوت معائنہ" علم الیقین۔ اور عین الیقین اور حق الیقین کے الفاظ ہر اہل و نااہل کی زبان سے سُنے جاتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ حضرت ابوبکر شبلی نے اِن کی کیا تعریف و تفسیر فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں علم الیقین وہ علم ہے جو ہمیں انبیا علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے پہونچا ہے اور عین الیقین وہ علم ہے

[1] طبقات الکبریٰ - ۱۲۲ [2] تذکرۃ الاولیاء - ۷۰۰ و ۴۷ [3] رسالہ قشیریہ - ۱۵۱ -

جو اسرار ہدایت مین خوض و غور کرنے سے بغیر کسی ذریعے اور واسطہ کے دل کو حاصل ہو۔ اور حق الیقین وہ ہے جس کے مضامین تک اِس عالم مین رسائی نہین ہو سکتی۳۸؂"

کسی نے پوچھا "یا حضرت آفتاب غروب کے وقت زرد کیون ہو جاتا ہے؟" فرمایا "اسلیے کہ وہ اپنی تکمیل کے مقام سے علیحدہ ہوتے وقت آنے والے مقام کے خوف سے زرد ہو جاتا ہے یہی حال مومن کا ہے۔ دنیا سے نکلتے وقت اُس کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے کیونکہ آئندہ کی منزل سے ڈرتا ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو چمکتا ہوا نکلتا ہے۔ اسی طرح مومن جب قبر سے نکلتا ہے اُس کا چہرہ چمکتا ہوا ہوتا ہے۳۹؂"

شریعت و طریقت و حقیقت کا فرق بتاتے ہین کہ شریعت یہ ہے کہ تو اُس خدائے عز و جل کی عبادت کرے۔ طریقت یہ ہے کہ تو اُس کو طلب کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تو اُس کو دیکھے۴۰؂"

دل کو خدا کے خیال کا مرکز و مستقر ہونے کے باعث آپ نے بھی کعبہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "بیت اللہ الحرام (کعبہ شریف) مین حضرت خلیل علیہ السلام کے آثار ہین اور دل مین حضرت رب العزت کے آثار۔ علیٰ ہذا القیاس جس طرح خانۂ کعبہ مین ستون ہین۔ اُسی طرح دل مین بھی ستون ہین مگر بیت اللہ کے ستون پتھر کے ہین۔ اور دل کے ستون اُس جوہر سے بنائے گئے ہین جو انوار معرفت کے معادن سے نکلتا ہے۴۱؂"

۳۸؂ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۲، ۳۹؂ طبقات الکبری۔ ۱۲۲، ۴۰؂ تذکرۃ الاولیاء ۲۰۷، ۴۱؂ طبقات الکبری۔ ۱۲۳۔

فرماتے ہین خلقت جو اشارہ حق کی طرف کرتی ہے وہ اشارہ مردود ہے۔ مگر جو اشارہ حق سے حق کی طرف ہو اور خلقت کو اُس مین دخل نہ ہو وہ اشارہ البتہ مقبول ہے۔[۶۶]

مریدون کو ہدایت فرماتے کہ "دنیا مین استقامت قیامت پر محمول کرنے کا نام ہی۔ حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے۔ لہذا اُسی وقت کے انتظار مین ثابت قدم رہنا استقامت ہے"[۶۷]

کتنے بڑے نازک مسئلۂ الٰہیات کو آسانی کے ساتھ چند الفاظ مین حل کر دیا ہے کہ "بندے کا بندے کی آنکھ مین ظاہر ہونا عبودیت ہے۔ اور حق تعالیٰ جل شانہٗ کے حسنات کا اُس پر ظاہر ہونا مشاہدہ"۔[۶۸] لیکن اس سے زیادہ پُر مذاق یہ لطیفہ ہی کہ ایک دن کسی نے آپ سے مشاہدۂ حق کی کیفیت پوچھی، فرمایا "ہمارے لیے خدا کا مشاہدہ کہان؟ خدا ہمارا مشاہدہ کر رہا ہے"[۶۹]

ایک ہی امر مین آپ کے اس قسم کے مختلف و متبائن الفاظ سُن کے لوگون نے عرض کیا "حضرت۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کبھی کچھ فرماتے ہین اور کبھی کچھ؟" جواب مین ارشاد ہوا "ہم کبھی باخود ہوتے ہین اور کبھی بیخود"[۷۰]

مشائخ صوفیہ پر جو عالم وجد طاری ہوا کرتا ہے اُس کی حالت بیان فرماتے ہین کہ "اَلْوَجْدُ اِظْہَارُ الْمَوْجُوْدِ" یعنی وجد اُس موجود مطلق کے ظاہر کرنے سے عبارت ہے"[۷۱] پھر خود ہی ان لوگون کا خیال کر کے جو نااہل ہونے کے ساتھ وجد کا

---

[۶۶] تذکرۃ الاولیا۔ ۴۷۔ [۶۷] رسالۂ قشیریہ۔ ۵۳۔ [۶۸] تذکرۃ الاولیا۔ ۴۷۔

[۶۹] رسالۂ قشیریہ۔ ۵۰۔ [۷۰] تذکرۃ الاولیا۔ ۴۷۔

اظہار کیا کرتے ہیں ارشاد فرمایا "جب تک شہود کا مرتبہ نہ حاصل ہو، وحید میرے نزدیک انکار (باری) ہے۔ اور جیسے خداوند جل وعلا کا شہود حاصل ہے وہ میرے خیال میں (اس) ہستی کے شہود کو فنا کر دیتا ہے"۔

اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو فرماتے جَلَّ الْوَاحِدُ الْمَعْرُوْفُ قَبْلَ الْحُدُوْدِ وَقَبْلَ الْحُرُوْفِ یعنی حرفوں اور تعریفوں سے پہلے ہی وہ مشہور یگانہ (مطلق) بزرگ و برتر ہوا"۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی کبھی کبھی فرماتے "ازلی حق سبحانہ کی ذات کی نہ کیفیت بیان کی جا سکتی ہے۔ اور اس کے کلمات کے لیے حروف نہیں ہیں"۔ مریدین سے اکثر فرماتے "اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا جلیس (ہم صحبت) ہوں"۔ اس کے اور پوچھتے "ایسی صورت میں بتاؤ کہ خدا کے پاس بیٹھ کے اسکی صحبت سے تم لوگوں نے کیا فائدہ اٹھایا؟"

ابوالحسن ثنی کا بیان ہے کہ "ایک دن میں جامع بغداد میں شیخ ابو بکر شبلی کی صحبت میں فیض یابان معرفت کے حلقے کے پاس ایک کنارے پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک شخص مشائخ کی وضع و لباس میں آیا۔ اور پوچھا کہ "اے شیخ۔ وصل کیا چیز ہے؟ سنتے ہی شبلی نے اس کی طرف رخ کر کے دیکھا اور فرمایا "اے وصل کی حقیقت پوچھنے والے دو طرح کے لگاؤں کو چھوڑ دے۔ تو نے یہ کیا اور وصل کے درجے کو پہونچ گیا"۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت وہ دونوں لگاؤ کون سے ہیں؟" فرمایا "ایک ٹیلا تمھارے سامنے کا جو اللہ تک پہونچنے سے روکتا ہے"۔ پوچھا اور دوسرا ٹیلا کون سا ہے؟" فرمایا "دنیا و آخرت۔ چنانچہ خود ہمارا پروردگار فرماتا ہے

لہ ۵ ارشاد المعارف ۱۰۲-۱۰۳ و ۱۰۴ ۵ روض الریاحین - ۳۲۸ و ۳۲۹ ۵ رسالہ قشیریہ ص ۳۴ ۵ رسالہ قشیریہ ص ۱۴۲

کہ مِنْکُمْ مَنْ یُرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَنْ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (تم مین سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور کوئی آخرت چاہتا ہے) وہ شخص کہان ہے جو خدا کو چاہتا ہو؟" یہ جواب دینے کے بعد آپ کے دل مین توحید اور عشق الٰہی کا جوش ہوا۔ اور عجب بیتابی کے لہجے مین یہ کلمات آپ کی زبان سے نکلے "اِذَا قُلْتُ اللّٰہُ فَھُوَ اللّٰہُ! وَاِذَا سَکَتُّ فَھُوَ اللّٰہُ! یَا اَللّٰہُ! یَا اَللّٰہُ! یَا مَنْ ھُوَ ھُوَ! وَلَا یَعْلَمُ اَحَدٌ مَا ھُوَ سُبْحَانَہٗ! وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" (جب تو کہے اللہ تو وہ اللہ ہے! اور جب تو خاموش رہے تب بھی وہ اللہ ہے! اے اللہ! اے اللہ! اور اے وہ کہ وہ وہی ہے! اور خود اُس کے سوا کوئی نہین جانتا کہ وہ کیا ہے! پاک ہے وہ! پاک ہے وہ! وہ اکیلا ہے اور کوئی اُس کا شریک نہین!) یہ کلمات ایسے جوش اور ایسے دل سے نکلے تھے کہ آپ زیادہ کی تاب نہ لا سکے۔ یہین تک پہونچنے پائے تھے کہ بیہوش ہو کے زمین پر گر پڑے۔ اور مریدین آپ کو بدقت اُٹھا کے گھر مین لائے۔

ابو علی مغازلی نے ایک دن خدمت مین عرض کیا کہ "یا حضرت بعض اوقات مین کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتا ہون تو اُس کے اثر سے دل اِس بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ تمام چیزون کو ترک کر دون۔ اور دُنیا کی طرف سے مُنہ پھیرون۔ مگر یہ حالت تھوڑے زمانے کے بعد جاتی رہتی ہے۔ اور دل اپنی طرف اور دُنیا کے لوگون کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔" آپ نے سُن کے فرمایا "جو کشش تم مین پیدا ہوتی ہے وہ اُس حضرت رب العزت کی کھنچا رہے

---

۵ نفحات الانس۔ ۲۹۲، ۲۹۳۔

حال پر توجہ اور اُس کا لطف و کرم ہے۔ اور اس کے بعد پھر اپنی حالت پر آجانا اُس کی شفقت ہے۔ اس لیے کہ اُس کی طرف توجہ کرنے میں تمھارے لیے یہ مناسب نہین ہے کہ اُسکی طاقت اور قوت سے علیحدگی اختیار کرو۔"

ابوالحسین مروالروزی کو حضرت شبلی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اُنھون نے ایک دن آپ سے سوال کیا کہ "اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْن" سب فیاضون سے بڑا فیاض کون ہے؟" فرمایا "وہ جس نے کبھی کسی شخص کو ایک گناہ پر ایک دفعہ معاف کر دیا تھا۔ لہذا اب اُس گناہ پر کبھی کسی شخص کو عذاب مین نہ مبتلا کرے گا۔ محض اس خیال سے کہ یہ وہ گناہ ہے جو فلان بندے کے لیے معاف کر دیا گیا تھا" یہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ جس ممنوع میوے کے کھانے پر آپ کا قصور معاف کیا گیا اب اُسے سب کھاتے ہین۔ اور خدا کسی سے اُسکی بازپرس نہ کرے گا۔

لوگون نے ایک دن عرض کیا کہ "ابوتراب نخشبی (جو مشہور روزگار اولیاءاللہ مین گزرے ہین) صحرا مین ایک دن بھوکے ہوئے تو نظر آیا کہ سارا دامن صحرا غذاؤن سے بھرا ہوا ہے"۔ سن کے فرمایا "یہ ایک بندہ تھا جس کے حال پر مہربانی ہوئی۔ لیکن اگر تحقیق کے مقام پر پہونچا ہوا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ بلکہ ویسا ہوتا جیسا کہ حضرت رسالت مآب صلعم فرماتے ہین۔ اِنِّی اَظَلُّ عِنْدَ رَبِّی یُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِی (مین اپنے پروردگار کے پاس رہتا ہون جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے)۔"

ایک دن لوگون نے پوچھا "حضرت رسول اللہ صلعم نے جو ارشاد فرمایا

لـــه رسالہ قشیریہ-۲۰۳- عـــه طبقات الکبریٰ-۱۲۲

کہ خَیْرُ عَمَلِ الْمَرْءِ کَسْبُ یَمِیْنِہٖ (انسان کا سب سے اچھا عمل وہ ہے جسے اپنے دہنے ہاتھ (اپنی قوتِ بازو) سے حاصل کرے۔ اسمین کسب یمین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جب رات ہو پانی سے کے وضو کرو۔ اور نماز کے لیے تیار ہو جاؤ پھر جتنی نماز چاہے پڑھو۔ اس کے بعد ہاتھ اُٹھا کے درگاہ رب العزت مین دعا کرو۔ بس یہی تمھارا کسب یمین ہے۔[1]

آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ "توبہ مین دیر لگانا اور تاخیر کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس لیے کہ جب گنہگار نے یہ کہا کہ سال بھر بعد توبہ کرون گا تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ سال بھر تک گناہ کرتا رہون گا۔"[2]

یہ بھی آپ کی تعلیمات باطنی مین سے ہے کہ "اللہ جل شانہ لوگون کے ظرف و حوصلہ کے مطابق اُن کے سامنے سے واسطون یعنی پردون کو ہٹایا کرتا ہے۔ کیونکہ جو حالات انبیا علیہم السلام پر منکشف ہو گئے ہین۔ اگر اولیاء اللہ پر ذرّہ برابر بھی کھُل جائین تو اُن کی ولایت باطل ہو جائے اور بارگاہ ربانی سے وہ کلیتہً منقطع ہو جائین۔"[3]

کبھی کبھی شیعون اور خوارج پر اعتراض کرتے۔ اور فرماتے کہ شیعون اور خارجیون سے زیادہ تنگ حوصلہ کوئی نہین۔ کسی نے اگر بُرا کیا تو اپنے لیے اور بھلا کیا تو اپنے لیے کیا۔ مگر یہ دوسرون کی حمایت یا مخالفت مین اپنا وقت برباد کیا کرتے ہین۔[4]

وقت کی قدر و قیمت علماے ظاہر کی زبان سے بارہا سُن چکے ہو۔ اور

---

[1] مستطرف فی کل فن مستظرف۔ جلد اول۔ ۱۲۸۔ [2] عوارف ۲۹۰۔ [3] طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔ [4] تذکرۃ الاولیاء ۲۱۳

خصوص آج کل مغربی مذاق کے رہبران اخلاق کے ہزار ہا پریشان و شکوہ الفاظ کانون مین گونج رہے ہون گے۔ اب ذرا سنو کہ ایک اگلا صاحب دل ولی اللہ اس المول پونجی کی وقت کس عنوان سے بتاتا ہے۔ حافظ صوفی شیخ ابو سعید مالینی حضرت ابو بکر شبلی کا یہ بہا قول بیان فرمایا کرتے تھے کہ یہ وقت کی پونجی جو تمہارے پاس ہے اسے فخر و ناز کے ساتھ رکھو کیونکہ کل یہی سرمایہ تمہارے پاس ہوگا۔ اور اسی کے ذریعے سے اس کے ساتھ ازلی صحبت رہے گی۔

ہمارے گران پایہ مورخ زمانہ شمس العلما مولنا شبلی نعمانی نے مولنا روم کے اکثر اشعار سے موجودہ مسائل سائنس کے ثبوت دیئے ہین۔ اس سلسلے مین وہ شاید حضرت ابو بکر شبلی کے اس قول سے یہ فائدہ اٹھا سکین کہ حکما کے نزدیک زمانہ حرکت فلکی سے منتزع ہے۔ اور اگر یہ رفتار فلک نہ ہو تو زمانہ بھی نہ باقی رہے۔ یہ حال کی تحقیق ہے کہ زمانہ تخلیق اور قبل و بعد تخلیق کی حالتون سے یکسان متعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن ان جدید محققون سے بہت پہلے اسلام کا ایک پاک نفس صوفی کہ رہا ہے کہ "اس عالم کے فنا ہونے کے بعد بھی خدا کے ساتھ ازلی صحبت مین زمانہ موجود ہوگا"

آپ قرآن مجید مین بہت زیادہ غوص و فکر کرتے۔ اور علم باطن کے متعلق ایسے نازک لطیفے اور بحر عرفان کے گوہر شاہوار ڈھونڈھ نکالتے جو آپ سے بیشتر شاذ و نادر ہی کسی کے ہاتھ لگے تھے۔ چنانچہ اکثر آیات قرآنی

نفحات الانس ۱۶۲۔

کی آپ نے ایسی اچھی تفسیر کی ہے اور اُن سے ایسے مسائل اپنی الہامی قوت سے حاصل کیے ہین جو سچ یہ ہے کہ آپ ہی کا حصہ ہین۔

آپ کے زمانے مین شیخ ابوبکر احمد بن موسیٰ مقری قرآن کی ساتون قرأتون کے عالم بے ہمتا تھے۔ اور علوم قرآن مین اُن کی سند مانی جاتی تھی۔ اُنھون نے جب حضرت ابوبکر شبلی کو یہ دعویٰ کرتے دیکھا کہ علم و فضل منجر بہ فساد بھی ہو جایا کرتا ہے تو اعتراضاً آپ کی خدمت مین آکے کہا "علم سے اور فساد پیدا ہونے سے بھلا کیا علاقہ؟ اور یہ بھی دیکھو کہ اُس سے نفع کس قدر حاصل ہوتا ہے!" سنتے ہی حضرت شبلی بولے "تو اللہ جل شانہ کے قول فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ [۱] کا کیا مطلب؟" اِس کے بعد جناب شیخ شبلی نے سوال کرنے کے لہجے مین اُن سے فرمایا "مگر اے قرآن کا درس دینے والے بتا کہ قرآن مین یہ مضمون کہان ہے کہ محبوب اپنے چاہنے والے پر عذاب نہین کرتا" شیخ احمد مقری جب خاموش رہے اور کچھ جواب دے سکے تو حضرت شبلی نے فرمایا کہ "سُنو اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ

---

[۱] یہ آیت سورۂ ص کی ہے۔ معنی یہ کہ "وہ (سلیمان) پنڈلیون اور گردنون پر (گھوڑون کی) ہاتھ مارنے لگا"۔ اس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سُنا کہ سمندر کے کنارے دریائی گھوڑے نکلتے ہین۔ یہ آپ نے اچھی نسل کی گھوڑیاں وہان بندھوا دین۔ گھوڑیان اُن سے حاملہ ہوئین۔ اور نہایت ہی اچھے بچے پیدا ہوئے۔ یہ بچے جب تیار ہو کے ملاحظے مین لائے گئے تو آپ اُن مین اس قدر مشغول ہوئے کہ وظیفہ رہ گیا اور عبادت کا وقت گزر گیا۔ اس پر آپ کو غصہ آیا اور اُن عمدہ نسل کے گھوڑون کو مروا ڈالا۔ یہی آخری واقعہ اس آیت مین مذکور ہے۔

اَبْنَاءُ اللّٰہِ وَاَحِبَّاؤُہٗ (کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہین۔ عہ اتقا لیا شیخ کا مقصود یہ ہے کہ باوجودیکہ یہود و نصاریٰ شرک و کفر مین مبتلا اور سرکش ہین مگر چونکہ خدا کے دوست اور عزیز ہونے کے دعویدار ہین اسلیے وہ اُن پر عذاب نہین کرتا۔

اِس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیتون کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ۔ (کہدے (اے محمد صلعم) مومنین سے کہ اپنی آنکھین نیچی رکھین) کی تفسیر مین فرماتے ہین سر کی آنکھون کو محارم سے اور دلون کی آنکھون کو ماسوای اللہ سے عہ۔ آیہ کریمہ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (مگر وہ شخص جو خدا کے پاس قلب سلیم لے کے حاضر ہو) کی تفسیر مین فرمایا "یہ قلب سلیم ابراہیم علیہ السلام کا قلب تھا۔ اِس لیے کہ وہ بندے کی خیانتون اور حضرت رب العزت کی ناراضیون سے اپنے امکان بھر محفوظ تھے سہ۔

ایک مرتبہ کسی نے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" کے معنے پوچھے۔ فرمایا خداوند جل و علا ہمیشہ سے تھا اور عرش بعد پیدا ہوا۔ یاد رکھو کہ رحمٰن عرش سے نہین بلکہ عرش رحمٰن سے مستوی ہوا لعہ۔ ایک مرتبہ آیہ کریمہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے دے گا ایسا کہ تو راضی ہوگا) پڑھی اور فرمایا خدا کی قسم جب تک آپ کی امت کا ایک شخص بھی آتش دوزخ مین رہے گا آپ ہرگز راضی نہون گے" صہ۔

عہ طبقات الشافعیہ سبکی۔ جلد دوم ۱۰۳ - عہ نفحات الانس ۱۷۷ - سہ طبقات الکبری ۱۲۳ - لعہ روض الریاحین ۲۲۹ و رسالہ قشیریہ ۷ - صہ تلبیس ابلیس علی الصوفیہ فی الشطح والدعاوی۔

ابو نصر عبداللہ بن علی طوسی سراج اپنی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں کہ ایک دن ابوبکر بن خفیف نے شبلی سے اللہ جل شانہ کے قول وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (اور مکر کیا انہوں (کافروں) نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ سب سے اچھا مکر کرنے والا ہے) کو پیش کر کے عرض کیا کہ "خیر ان لوگوں کا مکر تو معلوم ہے، مگر اللہ کا مکر کیا ہے؟" فرمایا "اللہ کا یہ مکر ہے کہ وہ جس حالت پر تھی اسی حالت پر انہیں چھوڑ دیا۔ اگر وہ چاہتا تو ان کی حالت ایک آن واحد میں بدل جاتی" لیکن ابوبکر ابن خفیف موصوف کی صورت دیکھی تو دل میں سمجھ گئے کہ یہ بات ان کے دل پر نقش نہیں ہوئی ہے۔ بولے "تم نے فلاں طنبورہ والی عورت کو کبھی یہ شعر گاتے سنا ہے کہ۔

وَيَقْبُحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِي ۔۔۔ وَتَفْعَلُهُ فَيَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَا

کوئی کام تیرے سوا کوئی اور کرتا ہے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے اور وہی کام تو کرتا ہے تو وہ مجھے اچھا معلوم ہونے لگتا ہے"[1]

لوگوں نے ایک موقع پر آپ سے حدیث نبوی اذا رأیتم اہل البلاء فاسئلوا ربکم العافیۃ (جب تم مبتلا بلا لوگوں کو دیکھو تو اپنے پروردگار سے عافیت کی دعا مانگو) کے معنے پوچھے فرمایا "مبتلائے بلا وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے غافل ہیں"[2]

[1] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۱۵۰۔ [2] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ۱۲۳۔

آپ کی مخالفت

دنیا مین اختلاف کیا جانا اور اہل زمانہ کا عداوت و دشمنی پر آمادہ ہو جانا ہمیشہ اہل حق اور سچے خدا پرستون کی آزمائش کا ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ یہ دشواری ہر فن اور ہر قسم کے باکمالون کو پیش آیا کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد حنبلؒ کے ایسے ائمہ فقہ و حدیث بھی زمانے کی اِس عام سرد مہری سے نہین بچے تو پھر بیچارے صوفیون کے لیے کیونکر مفر ہو سکتا ہے؟۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات مین ہم بیان کر چکے ہین کہ باوجود احتیاط شدید اور عام لوگون کے سامنے خاموش رہنے کے طعن خلائق اور صاحب اقتدار اُمرا کی سختیون سے نہ بچ سکے۔ زمانے کی جب یہ حالت ہو رہی تھی تو حضرت ابوبکر شبلی کا دامن اُن لوگون کے ہاتھ سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ کیونکہ آپ تو مرشد کے روکنے پر بھی رموز باطن کو علانیہ علی رؤس الاشہاد اور برسر منبر بیان فرمایا کرتے تھے حسین بن منصور حلاج کے نذر اجل ہونے کے وقت ارکین سلطنت کو عام صوفیون کی طرف سے بدگمانی ہو گئی تھی جن مین سب سے اعلیٰ مرتبہ آپ ہی کا تھا اور اُس وقت آپ کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے تھے کہ لوگون کی پُرکینہ نظرین سب سے زیادہ آپ ہی پر پڑ رہی تھین۔ مگر اپنی عادت کے خلاف اُن دنون آپ نے ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اور اُس فتنۂ عظیم سے بچ گئے۔

مگر وہ خیر ایک خاص موقع تھا۔ آپ کی زندگی ہمیشہ ایسی بدگمانیون کا ہدف بنی رہی۔ چنانچہ جہال اور عوام کے ہاتھون آپ نے بڑی بڑی تکلیفین اُٹھائین۔ ہمیشہ خلقت کے

شور و شر مین مبتلا اور رد و قبول کے ہچکولے برداشت کرتے رہے۔ اکثر لوگ آپ کے قتل کر ڈالنے پر آمادہ رہے۔ کیونکہ آپ کی بھی بعض باتین حسین بن منصور حلاج کی باتون سے ملتی جلتی تھین[۱]۔ ہم بتا چکے ہین کہ لوگون نے راہ چلتے ڈھیلے مارے جن سے پاؤن اس قدر زخمی ہو گیا کہ چلتے تو زمین پر خون کے چھاپے بن جاتے۔ اس کا بھی ذکر ہو چکا ہے کہ زنجیرون مین باندھ کے بٹھائے گئے۔ غرض کہ کوئی بات اٹھا نہین رہی۔

مگر پھر بھی آپ خوش نصیب تھے کہ سربرآرایان سلطنت اور اُمرائے دولت کبھی آپ کی آزار رسانی پر نہین آمادہ ہوئے۔ جیسا کہ دیگر بزرگان صوفیہ اور ائمۂ دین کو پیش آیا تھا۔

آپ سے بعض مشائخ صوفیہ کو بھی اختلاف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوبکر یزدانیار ارموی جو آرمینیہ کے عالی مرتبہ مشائخ باطن مین سے تھے تصوف کے ایک جداگانہ طریقہ کے بانی و مجتہد تھے۔ انھین بعض مشائخ عراق خصوصاً ابوبکر شبلی وغیرہ کے طرز عمل اور آپ کی تعلیمون پر اعتراض تھا۔ مگر اس سے بجائے اس کے کہ عوام الناس آپ کے مخالف ہون عراق اور بغداد کے شیوخ باطن خود ابوبکر یزدانیار کے خلاف ہو گئے تھے[۲]۔

لیکن خود شیخ ابوبکر یزدانیار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھین حضرت ابوبکر شبلی سے جو کچھ اختلاف تھا۔ ویسا ہی تھا جیسا کہ حضرت جنید بغدادی کو تھا۔ چنانچہ فرماتے تھے "مجھے ان لوگون سے جو اختلاف ہے صرف اس بنا پر ہے کہ اُنھون نے اسرار الٰہی کے رموز غیر مستحقین اور نا اہلون پر فاش کر دیے۔ ورنہ جانتا ہون کہ وہ مقتدائے قوم ہین۔ اور اُن کی محبت کو مین قربت الٰہی کا ذریعہ تصور کرتا ہون[۳]۔"

۱ه تذکرۃ الاولیا - ۴۸۸ -   ۲ه نفحات الانس - ۱۸۰ -

۳ه طبقات الکبریٰ - ۱۳۴ -

علیٰ ہٰذا القیاس شیخ ابوالحسن صوفی قوشنجی اور شیخ ابوبکر شبلی میں بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ بلکہ بالمشافہ بحث بھی ہوئی۔ مگر یہ اختلافات اُسی قسم کے تھے جیسے کہ بعض فقہا کو دیگر فقہا سے ہوا کرتے ہیں جن میں کسی قسم کا شر نہیں ہوتا۔ اور جن کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ "اختلاف العلماء رحمۃ"۔

اسی قسم کا اختلاف اُس عہد کے ایک شیخ ابوالحسن شطی کو بھی شیخ ابوبکر شبلی سے رہا تھا جنہوں نے اپنے شباب کے زمانے میں حضرت شبلی کو دیکھا تھا۔ اور آپ کے حلقہ درس کے قریب کھڑے ہو کے روحانی تعلیم و تعلّم کی کیفیت ملاحظہ کی تھی۔

تعلیمات کی ذیل میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ اُس عہد کے امام قرأت شیخ ابوبکر احمد بن موسیٰ مقری نے حضرت شبلی کے اس دعوے پر کہ علم کبھی منجر بہ فساد بھی ہو جاتا ہے اعتراض کیا تھا جس کا شبلی نے آیات قرآنی سے ایسا تاباں ثبوت دیا کہ سوا خاموش ہو جانے کے کچھ بن نہ پڑی۔

اور سچ یہ ہے کہ اپنے روحانی جذبات کے جوش میں بعض اوقات آپ علم سفینہ اور کتابت کی جو مخالفت کر بیٹھا کرتے تھے اس نے جماعت علما کو آپ کی طرف سے ضرور بدظن کر دیا ہوگا۔ دوات کو دیکھ کے کہنا کہ "اپنی سیاہی ہٹا، میرے لیے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے"۔ یا یہ فرمانا کہ "جب وہ (علما) اوراق کاغذ لے کے میرے مقابلے میں آتے ہیں تو میں خرقے کے علم سے اُن کا مقابلہ کرتا ہوں"۔ علمائی دل آزاری کی بڑی بات تھی خصوصاً ان دنوں جبکہ حدیث کے لکھنے اور نقل کرنے کا

ص۵۵ طبقات الکبریٰ ۔۔۔ علامہ شعرانی "قوشنجی" کی جگہ "بوسنجی" لکھتے ہیں۔ ۱۳۹ ۔۔۔ ۹ نفحات الانس ص ۲۲۳۔

ص۵۶ طبقات الکبریٰ ۔۔۔ نفحات الانس ص ۲۹۳ و ۲۹۳ ص۵۷ نفحات الانس ۲۲۱ ص۵۸ تلبیس ابلیس۔

رواج ساری دُنیائے اسلام میں اعلیٰ کمالِ دینی تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن یہ اختلافات اُسی وقت تک تھے جب تک علما لوگوں سے سُن کے بغیر دریافت کیے مخالفت شروع کر دیتے۔ اُن میں سے اگر کبھی کوئی اصل حقیقت دریافت کرنے کی طرف مائل ہوتا اور خود آپ سے مل کے تحقیق کرتا تو فوراً اختلاف سے باز آجاتا بلکہ آپ کا معتقد ہو کے واپس جاتا۔ چنانچہ ابن بشّار جو اُس زمانے کے باکمالوں میں تھے ابتداءً حضرت شبلی کے اس قدر خلاف تھے کہ لوگوں کو آپ سے ملنے آپ کی صحبت میں آنے جانے۔ اور آپ کی تقریر سُننے سے روکا کرتے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کے پاس آئے تاکہ آپ کے علم و فضل اور آپ کے اصول و عقائد کا امتحان کریں۔ پوچھا "کیوں حضرت کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں تو اُن کی زکوٰۃ کیا دے؟" اس سوال پر حضرت ابوبکر شبلی نے سکوت کیا تو ابن بشّار نے مکرر یہی سوال کیا۔ آخر شبلی نے کہا کہ "از روئے شرع واجب تو ایک بکری ہے۔ مگر ہم سے لوگوں کے لیے لازم ہو کہ پانچوں اونٹ زکوٰۃ میں دے دیں۔" ابن بشّار نے کہا "اس مسئلے میں تمھارا کوئی امام بھی ہو یا ذاتی اجتہاد ہے؟" فرمایا "ہمارا امام اس مسئلہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ اور جب آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ "اپنے عیال کے لیے کیا رکھا ہے؟" تو کہا "اللہ اور اس کے رسول"[1] یہ مسکت جواب سُن کے ابن بشّار بے چُون و چرا سُنے چُپکے اپنے گھر واپس گئے۔ اور پھر کبھی کسی کو حضرت شبلی کے پاس آنے سے نہیں روکا۔

بہر تقدیر حضرت شبلی سے اگرچہ بہت کچھ اختلاف کیا گیا۔ اور آپ کو مختلف صحبتوں

---

[1] طبقات الکبری ۱۲۳۔

اور جماعتوں مین الزام دے گئے مگر آپ کے اصول توحید اور جذبات الٰہی پر کوئی مخالفت نہین غالب آسکی۔ اور آخر عمر تک آپ اُن رموز وحدت اور اسرار معرفت کے حامل اور مبلّغ رہے جو حضرت جنید بغدادی کی معرفت آپ کو اسلاف کرام سے پہونچے تھے۔ اور آپ کے ذریعے سے ہمارے عہد کے پاک باطن صوفیون تک پہنچے ہین۔

فیض یابان صحبت معاصر اور مُرید

جو روحانی فیض حضرت جنید بغدادی سے دُنیائے اسلام کو پہونچا جس کی اشاعت آج تک جاری ہے اور خدا نے چاہا تو رہتی دُنیا تک باقی رہے گی اُس کے سلسلہ کی ایک طلائی کڑی چونکہ حضرت شبلی بھی واقع ہوئے ہین لہذا دیگر بزرگان سلف کی طرح آپ کا فیض بھی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر چشم بصیرت سے دیکھیے تو تمام اسلامی خانقاہون کے چراغون مین حضرت ابوبکر شبلی کے سینے کا نور بھی چمکتا نظر آئے گا۔ اِسی طرح حقیقت شناسی کے کان موجودہ صوفیۂ صافی طینت کی ہُو حق مین اکثر اوقات شیخ شبلی کا نعرۂ مستانہ بھی سُن لیا کرتے ہون گے۔

فیض یابون کی وہ جماعت درکنار جسے بواسطہ یا بعد کے زمانون مین آپ سے فیض روحانی پہونچا ہم اُن خوش نصیب اور بابرکت بزرگون کا بھی شمار نہین بتا سکتے جنھون نے اپنی آنکھ سے آپ کا جمال جہان آرا دیکھا اور آپ کے نورانی سینے کی شمع معرفت سے اپنے باطن کی شمعین روشن کین۔ ہان اُن مین سے اُن چند مخصوص لوگون کی فہرست پیش کرتے ہین جن کے نام ہمین علماے سیر سے معلوم ہوئے ہین یا جن کے مبارک نام آپ کے حالات کے سلسلے مین آگئے ہین۔

اِن مین دو قسم کے لوگ ہین۔ ایک تو وہ جو آپکے معاصر تھے۔ آپ کی طرح وہ بھی اُس دور مین مقبول و مستند خیال کیے جاتے تھے۔ اور علوم باطن کی خدمت بجالا رہے تھے۔ اور اِس کے ساتھ اُنھین آپسے ملنے و دیکھنے یا کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور دوسرے وہ بزرگ جو آپ کے مرید تھے آپ کی صحبت فیض مین شریک ہوئے تھے۔ اور آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوکے مرجع عالم اور رہنمائے خلق قرار پائے تھے۔

اول الذکر قسم کے لوگون مین مندرجۂ ذیل حضرات ہین:۔

ابوبکر احمد بن موسی بن عباس بن مجاہد مقری۔ علم قرأت کے مستند عالم تھے اور شیخ قرأت مانے جاتے تھے۔ ساتون قرأتون سے واقف ہی نہین مصنف بھی تھے۔ ٢٤٥ھ مین پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر شبلی سے ملے اور چونکہ شبلی علم سے ضرر بھی پہنچنے کے قائل تھے لہذا اعتراضًا کہا "علم سے فساد کہان؟" اِس کے جواب مین حضرت شبلی نے ایسی حیرت انگیز گفتگو کی کہ عش عش کر گئے۔ ٣٢٤ھ مین سفر آخرت کیا۔[۱]

ابو علی ثقفی حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر اور آپ کے ہم پایہ مشائخ زمانہ مین شمار کیے جاتے تھے۔ اِن کا قیام خراسان کے مستقر شہر نیشاپور مین تھا۔ حضرت شبلی نے اپنے ایک شاگرد کو جاسوسون کی طرح خفیہ بھیج کے اِن کے ایک سال کے حالات و کیفیات اور نیز اِن کے کلمات و مواعظ منگوائے تھے۔ اور پھر اُن کو ملاحظہ فرماکے رائے دی تھی کہ اس شخص کی صبح کی باتین تو علم حقائق مین معجزات ہین مگر رات کا کلام ردی اور فاسد ہے۔ اور پھر اِس کے سبب کا بھی پتہ لگا لیا تھا۔ شیخ ابو علی نے ٨٩ برس

[۱] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ص ١٠٣۔

کی عمر پائی۔ اور شب جمعہ ۲۲ جمادی الاول ۳۳۴ھ کو وہ رہ نورد عالم بالا ہوئے۔[۱]

جعفر خلدی حضرت جنید بغدادی کے اصحاب و تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر مشائخ میں تھے۔ شبلی کی زبان سے اکثر ان کی ثنا و صفت سنی جاتی کیونکہ وہ ان کے کمال باطنی کے نہایت ہی معترف تھے۔ بندار بن حسین جو اس عہد کے صاحب باطن مشائخ میں تھے ان کو خود ابوبکر شبلی سے فضل اور زیادہ عالی رتبہ بتایا کرتے۔ ۳۴۸ھ میں دنیائے دنی کو چھوڑ کے عالم باقی اختیار کیا۔[۲]

ابوالحسن بن احمد بن سہل بوشنجی بعض کتابوں میں بوشنجی کی جگہ فوشنجی ہے۔ حضرت شبلی کے معاصرین و اقران میں تھے۔ اور عقیدت کیشوں کی ایک بڑی جماعت ان کے فیض صحبت سے برکت حاصل کیا کرتی تھی۔ خراسان کے ایک [illegible] جوان تھے۔ ابوعثمان سے ملے۔ عراق میں جا کے عطا اور حریری سے فیض حاصل کیا۔ شام میں جا کے طاہر مقدسی اور ابوعمرو دمشقی کے ایسے علمائے باطن کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے۔ بعض مسائل تصوف میں انھیں حضرت شبلی سے اختلاف تھا [illegible] انکا۔ ۳۴۸ھ میں دنیا کو رخصت کیا۔[۳]

ابوبکر عبداللہ بن طاہر ابہری حضرت شبلی کے معاصر و اقران میں تھے۔ بڑے پائے کے لوگوں میں تھے۔ یوسف بن حسین رازی اور ابو محمد قرشتی کی سراپا فیض صحبتوں سے برکت حاصل کی تھی۔ ۳۳۰ھ میں رہ نورد عالم بالا ہوئے۔[۴]

ابوبکر یزدانیار ارموی حضرت ابوبکر شبلی کے ہم پایہ معاصرین اور مشائخ عصر

---

۱ طبقات الشافعیہ السبکی جلد دوم ۱۴۲۔ ۲ نفحات الانس۔ ۲۲۵۔ ۳ طبقات الکبری ۱۲۲ [illegible]

۴ طبقات الکبری۔ ۱۳۲۔

ہیں تھے تصوف میں وہ ایک جداگانہ اور خاص طریقے پر چلتے تھے مشائخ عراق اور خاصۃً حضرت ابوبکر شبلی سے بعض امور میں اختلاف سے مشائخ عراق اُن کے خلاف ہو گئے تھے۔

ابو عبداللہ احمد بن ابراہیم مالک۔ بغداد کے شاگرد اور مرید تھے۔ مگر شبلی کی زیارت سے شرفیاب ہوئے تھے۔ کچھ اوپر سو برس کی عمر پائی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس سال انتقال ہوا۔

دوسری قسم کے لوگوں میں سب سے پہلے ہم آپ کے فرزند کا نام لیتے ہیں۔ اور اُن کے بعد دیگر بزرگوں کی طرف توجہ کریں گے۔ جن کا سلسلہ حسب ذیل ہے۔

یونس بن ابی بکر شبلی۔ یہ حضرت شیخ شبلی کے صاحبزادے تھے۔ جن سے آپ کی خلوت کی کیفیت یہی معلوم ہوئی کہ رات بھر کوٹھے پر کھڑے رہے۔ اور صبح کو شکایت کی کہ سوا ایک مرغ کے رات کو مجھے کوئی اللہ کا یاد کرنے والا نظر آیا۔ یونس کے حالات یہیں اور کہیں نہیں مل سکے۔ لہٰذا نہ ہم آپ کا کوئی واقعہ بیان کر سکتے ہیں۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا کس سنہ میں انتقال ہوا۔

ابوبکر طمستانی۔ اِن کا اصلی وطن ارض فارس تھی۔ ابراہیم دبّاغ شیرازی اور جناب شیخ شبلی کی صحبتوں سے فائدہ اُٹھا کے اس اعلیٰ مرتبہ کمال پر پہنچ گئے کہ باوجودیکہ مشائخ زمانہ میں شمار کیے جاتے اور خود حضرت شبلی عزت کرتے تھے سنہ [illegible]ھ میں سفر آخرت کیا۔

نفحات الانس - ۱۸۱ ، نفحات الانس - ۲۴۹ - تلبیس ابلیس -

نفحات الانس - ۱۸۴ -

حسین بن محمود بن موسیٰ آملی - اعلیٰ درجے کے مشائخ میں تھے حضرت شبلی کو دیکھا تھا اور آپکی دیدار سے برکت حاصل کی تھی سنہ ۳۴۰ھ کے بعد جادہ پیمائے آخرت ہوئے۔

جعفر بن محمد بن نصیر بکران خلدی خواص دینوری - وطن دینور تھا - مگر بغداد میں رہ کے حضرت شبلی کی خدمت کرتے اور ان کی صحبت سے فیض اٹھاتے تھے۔ شبلی کے آخر عہد میں اُن سے اس قدر تعلقات بڑھے ہوئے تھے کہ مرض موت میں زیادہ تر خدمات یہی بجا لائے - انھین نے اُنھین آخری وضو کرایا - اور اُس اثنا میں زبان بند ہو گئی تو شبلی نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے خود ہی ڈاڑھی میں مسح کر لیا۔ انھین پر اُنھون نے یہ راز بھی ظاہر فرمایا کہ ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی ہے اس کے عوض ہزارون درہم دے چکا ہون مگر اس کا بار دل پر سے نہین ہٹتا - اور ان کے جنازے پر انھین کے رونے کی آواز ہمارے کان تک آئی ہے - اُس مبارک جسم بے روح پر ہزارہا خلقت روئی ہوگی مگر ان کا رونا روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ انھون نے دو ہزار مشائخ کے دربار فیض سے برکت حاصل کی تھی - اور سنہ ۳۴۸ھ میں آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔

ابو الحسن بندار بن حسین بن محمد بن مہلب شیرازی - اصول دین کے عالم اور محدث تھے - اور شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے - یون تو حضرت شبلی کے کمالات باطنی سے ہزارہا آدمیون نے فیض پایا ہوگا - مگر ان کو ان سب مین ایسا امتیاز حاصل تھا کہ خود مرشد یعنی حضرت شبلی اپنے اس جویائے حقیقت مرید کی تعظیم کیا کرتے تھے - ابو عبداللہ خفیف جو ایک بڑے عالی مرتبہ صوفی گزرے ہین۔

؎ نفحات الانس ۔ ؎ طبقات الکبریٰ ص ۱۲۳ ۔ و رسالہ قشیریہ ۔ ص ۱۸۱ ۔ ؎ نفحات الانس ۔ ص ۲۱۲ ۔

وہ انھین کے مرید تھے[۱]۔ علوم ظاہر اور خاصۃً علم کلام مین ان کے تبحر کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہو کہ امام المتکلمین و راس الاشعریین حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے شاگرد تھے۔

شیخ ابوالحسن اشعری کو جو شہرت و ناموری حاصل ہو محتاج بیان نہین آپ اُنکی خدمت مین بحیثیت شاگرد نہین بلکہ خادم کی طرح رہتے تھے[۲] پھر کمال روحانی حاصل کرنے لیے حضرت شبلی کی طرف رجوع کیا۔ اور آپ کی سراپا فیض صحبت سے شرف یاب ہوئے۔ یہ بھی اُن چند خوش نصیب عقیدت کیشون مین تھے جن کی حضرت شبلی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور بے شک یہ بزرگ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے مخصوصین مین تھے ۳۵۳ھ مین وفات پائی[۳]۔

ابوسہیل محمد بن سلیمان بن ہارون بن عیسی بن ابراہیم بن بشر حنفی صعلوکی امام تصوف مرتعش ابو علی ثقفی وغیرہ سے فیض روحانی حاصل کیا تھا حضرت ابوبکر شبلی سے بہت زیادہ فیض یاب ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اپنے زمانۂ قیام بغداد مین میرا کوئی ہفتہ حضرت شبلی کی خدمت مین حاضر ہونے سے خالی نہ جاتا تھا۔ کبھی مین کچھ پوچھتا اور کبھی خالی بیٹھ کے چلا آتا۔ ایک دن شیخ شبلی ابواسحق مروزی سے ملنے کو گئے اتفاقاً وہان مین بھی بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کے اُن سے کہا کیا یہ مجنون تمھارے لوگون مین ہے؟ ہرگز نہین یہ تو ہمارے لوگون مین سے ہے[۴]۔ ابوسہیل کا علم و فضل اس قدر مسلم تھا کہ دوست دشمن سب مانتے اور تعظیم کرتے تھے۔ بعد جا کے نیشاپور مین سکونت اختیار کی جہان منگل کے دن ۱۵ ذی قعدہ ۳۶۹ھ کو آغوش لحد کے سپرد کیے گئے[۵]۔

---

[۱] نفحات الانس ۲۱۵ — [۲] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۔ ۱۹۰

[۳] نفحات الانس ۔ ۲۱۵ ۔ [۴] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۔ ۱۶۲ ۔ [۵] نفحات الانس ۔ ۲۸۰

ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی خراسان کے محترم شیوخ میں تھے شیخ ابوبکر شبلی اور نیز ابو علی رود باری اور مرتعش کے ایسے صاحب کمال صوفیہ اور علمائے الٰہی کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا حضرت شبلی کی وفات کے بتیس برس بعد ۳۶۶ھ میں وطن مالوف نیشاپور کو خیرباد کہہ کے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ہجرت کر کے وہیں اقامت گزیں ہو گئے[1]۔ انھیں سید الطائفہ جنید بغدادی کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ جادہ پیمائے طریقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہر کے بھی مستند عالم تھے۔ علم حدیث میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کثرت سے روایت حدیث کیا کرتے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ علم حدیث میں اس قدر توغل تھا۔ اور عالی مرتبہ محدث تسلیم کیے جاتے تھے انھیں سماع اور حال وقال کی صحبتوں سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی بنیاد پر اُن سے اور ابو عمرو بن نجید سے بحث ہو گئی[2] جس کا ہم اس سے پیشتر تذکرہ کر چکے ہیں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشوونما ہوا۔ اور ۳۶۷ھ میں خاص مکہ معظمہ میں وصال ہوا[3]۔ مگر علامہ قشیری کی روایت زیادہ مستند ہے جو فرماتے ہیں کہ ۳۶۹ھ میں وصال ہوا[4]۔ اور اُسی مقدس زمین میں آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن حمدون الفراء۔ نفحات الانس میں مولانا جامی نے ان بزرگ کی کنیت بجائے ابو عبداللہ کے ابوبکر بتائی ہے۔ خراسان و نیشاپور کے عالی قدر بزرگان دین اور معظم الثبوت اولیاء اللہ میں تھے۔ ابو علی ثقفی۔ عبداللہ بن منازل ابوبکر بن طاہر۔ اور حضرت ابوبکر شبلی وغیرہ مقبول و مرجع عالم مشائخ کے جیسے ان سے

۱؎ رسالہ قشیریہ ۔ ۲۹ ۲؎ عوارف المعارف ۷۹ ۳؎ نفحات الانس ۲۱۸ ۴؎ رسالہ قشیریہ ۲۹

سے تکمیل کی تھی۔ اور اس رتبہ کو پہنچ گئے تھے کہ یکتائے عصر تصور کیے جاتے۔[٥٠] سنہ ٣٢٣ھ میں دُنیائے ناپائدار سے رخصت ہوکے رہ نورد عالم آخرت ہوئے۔[٥١]

ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری۔ اِن کا خاندان بصرہ کا تھا۔ مگر بغداد میں اقامت[٥٢] اختیار کرلی تھی۔ شبلی کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ اور انھیں کے ذریعے سے حضرت[٥٣] ابوبکر شبلی کا سلسلۂ فیض جاری ہوا۔ یہ جب پہلے پہل مرید ہوئے ہیں تو معمول تھا کہ ہر جمعہ کو جناب شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اور مرشد کی تاکید تھی کہ اِس درمیان میں یعنی جمعہ سے جمعہ تک خدا کے سوا کسی اور کا خیال بھی تمھارے دل میں گزر جائے تو تمھیں میرے پاس آنا حرام ہے۔ آخر جب علوم باطن میں ترقی کی تو اس درجے کو پہنچ گئے کہ لوگ کہتے ہیں عجیب حالت تھی اور عجیب گفتگو اور سارے عراق کے شیخ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت شبلی سے اگرچہ ہزارہا خلقت فیض یاب ہوئی مگر اور سب کو صرف باتیں سُننا نصیب ہوئی تھیں۔ انھیں خاص طور پر شاگردی کا خلعت عطا ہوا۔ شبلی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی وفورِ محبت سے فرمایا کرتے "جیسا میں دیوانہ ہوں ویسے ہی تم بھی ہو" یہی اُن کے علم و فضل کے وارث ہوئے۔ اور اُن کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ فقہ حنبلیہ کے پیرو تھے۔ اور جمعہ کے دن ماہ ذی الحجہ سنہ ٣٧١ھ میں سفر آخرت کیا۔[٥٤]

ابوعبداللہ بن ابی ذُہل۔ یہ ایک خراسان کے صاحب دل اور صاحب ہمت[٥٥] بزرگ تھے۔ کمال روحانی کے ساتھ عالم و فقیہ تھے اور روایت حدیث کیا کرتے تھے۔ چار سال تک حضرت شبلی کی خدمت[٥٦] کی۔ مگر ادب و تعظیم کا اس درجہ لحاظ تھا کہ اُنھوں نے اپنی زبان سے کبھی کوئی سوال

---

[٥٣] طبقات الکبریٰ۔ ١٢٦/١ [٥٤] نفحات الانس۔ ١٨٥ [٥٥] طبقات الکبریٰ ١٣٥-١٢٣ [٥٦] نفحات الانس۔ ٢٢٠

نہین کیا۔ اور لوگون کے پوچھنے پر حضرت شیخ جو جواب دیتے اُسی سے یہ بھی فیض و برکت حاصل کرتے۔ انھون نے بہت سامان بھی حضرت شبلی کی نذر کیا تھا جس کی وجہ سے شیخ شبلی ان کو "جواد خراسان" کہا کرتے تھے۔ بے سمجھے حال آنے پر جو اعتراض ہوتا ہے اُس کا شافی جواب جو کسی کے پوچھنے پر حضرت شبلی کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوا تھا وہ انھین کی عنایت و روایت سے معلوم ہوا ۔ ۳۴۰ھ کو ابو عبداللہ بن ابی ذہل نے سفر آخرت کیا۔

ابو الحسین محمد بن احمد بن اسمٰعیل بن سمعون جو "ابن سمعون" کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت ابو بکر شبلی کے زمانے مین ان کا بچپن تھا۔ ایک دن ایک پُر تکلف بانکی ٹوپی پہنے ہوئے بغداد کی جامع مسجد مین گئے۔ حضرت شبلی اپنے معتقدین کے حلقے مین بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ پاس سے ہو کے گذر گئے مگر جناب شیخ کو سلام نہین کیا۔ شبلی نے ان کی پشت دیکھ کے اپنے خادم ابو بکر اصفہانی سے فرمایا "جانتے بھی ہو کہ اس بچے مین خدا کے کیسے کیسے ذخیرے جمع ہین۔" یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ان کا علم و فضل اس درجے کو پہونچ گیا کہ "الناطق بالحکمۃ" کے محترم لقب سے مشہور ہوئے۔ ۳۸۷ھ مین سفر آخرت کیا۔

وزیر علی بن عیسیٰ۔ المقتدر باللہ عباسی نے اس قابل و نیک مشرب شخص کو ۳۰۱ھ مین دمشق سے بلوا کے خلعت وزارت سے سرفراز کیا تھا۔ مگر تھوڑے ہی روز بعد ۳۰۴ھ مین جب اُس نے خلافت کا رنگ بگڑا دیکھا تو استعفا دے دیا۔ کیونکہ اُس وقت تو پہلے ہی سے خلیفہ کے خادمون اور حرم کی عورتون یعنی امیر المومنین کی والدہ محترمہ کے

---

[1] نفحات الانس ۳۱۸۔ [2] طبقات الشافعیہ جلد دوم۔ ۱۲۶ [3] نفحات الانس۔ ۳۲۱۔

مصارف حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ فوج انبار سے واپس آئی۔ تو اُس کی سالانہ تنخواہ میں دو لاکھ چالیس ہزار اشرفیوں کی رقم اور اضافہ کردی گئی۔ خلیفہ کی اِس ناعاقبت اندیشی پر وزیر علی بن عیسیٰ نے استعفا دیا تو خلیفہ المقتدر باللہ نے کہا میں تو آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پھر آپ کیوں علیحدہ ہوئے جاتے ہیں۔ علی بن عیسیٰ نے اپنی ضعیفی و ناتوانی کا عذر کرکے پھر اصرار کیا تو استعفاء منظور ہوا اور خدمت سے الگ ہوتے ہی وہ اور اُس کا بھائی عبدالرحمن بن علی گرفتار کر لیے گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ کی نیک نفسی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر شبلی کی بیماری کا حال سُنا تو خاص شاہی طبیب کو جو عیسائی تھا بحکم خلافت اُن کے علاج پر مامور کیا اور وہ اُن کی تلقین سے مسلمان ہوگیا جیسا کہ بیان ہوچکا۔

ابوالحسن [illegible] حضرت شبلی کی صحبت فیض سے شرفیاب ہوئے تھے۔ اور بعد کے زمانے میں لوگ اِن کی زبان سے شبلی کے حالات سُنا کرتے تھے چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر اِن سے ملنے گئے۔ اور کسی قصّے کو یاد دلانے پر شبلی کے [illegible] حالات سُننے کے مشتاق ہوئے۔ اِنھوں نے بے ادبی خیال کرکے پہلے تو جناب رسالتمآب صلعم کا ایک واقعہ بیان کیا اور اُس کے بعد حضرت شبلی کا یہ پُر اثر واقعہ بیان کیا کہ کسی نے اُن سے "وصل" کی حقیقت دریافت کی تھی جس پر شبلی نے ایسی تقریر کی کہ سب سامعین کو بیتاب کردیا اور خود بھی غش کھا کے گر پڑے۔

ابوالعباس دامغانی۔ اِن بزرگ کے بھی زیادہ حالات نہیں معلوم ہوسکے۔ صرف اِس قدر جانتے ہیں کہ حضرت شبلی نے ایک مرتبہ [illegible] کہ حضرت

[illegible] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۵ و ۲۰ [illegible] روض الریاحین ص ۱۱۲۔ [illegible] نفحات الانس ص ۲۹۲ و ۲۹۳۔

اختیار کرو"۔ لوگوں کے درمیان سے اپنا نام مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف منہ پھیر کے بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ موت آ پہونچے"[1] اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کسی نے اس نصیحت پر عمل کیا ہو (اور ہمیں یقین ہے کہ ابو العباس دامغانی نے ضرور عمل کیا ہوگا) وہ کمالات روحانی میں کس درجے پہونچ گیا ہوگا۔

ابو عبداللہ رازی ابتداءً حضرت شبلی کی صحبت سے فیض اُٹھاتے تھے۔ پھر شہر نیشاپور میں جا کے اقامت گزیں ہو گئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنھیں ایک صاحب کی فیاضی سے ایک صوف کا کپڑا پہننے کو مل گیا تھا۔ اُس کے بعد اُنھوں نے حضرت ابوبکر شبلی کے سر پر ایک اچھی ٹوپی دیکھی۔ اور دل میں کہا "یہ ٹوپی میرے کپڑے کا جوڑ ہے۔ میرے پاس ہوتی تو کیا اچھا تھا"۔ حضرت شبلی ان کے دل کی حالت پہچان گئے۔ اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ اور وہاں ان کا صوف کا کپڑا اور اپنی ٹوپی دونوں کو ایک میں لپیٹ کے آگ میں رکھ دیا[2]۔

اُستاد ابو علی دقاق۔ نامی گرامی صاحب دل تھے حضرت شبلی کے مرید ابو القاسم نصر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور اُنھیں کی بارگاہ معرفت کے فیض یابوں میں اُن کا شمار ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے علم تصوف کو نصر آبادی سے اُنھوں نے شیخ ابوبکر شبلی سے اُنھوں نے جنید بغدادی سے اُنھوں نے سری سقطی سے۔ اُنھوں نے معروف کرخی سے اور اُنھوں نے داؤد طائی سے حاصل کیا جو تابعین یعنی صحابۂ رسول اللہ صلعم سے فیض اُٹھانے والوں میں تھے[3]۔ انھیں سے مروی ہے کہ شبلی شب بیداری کے لیے آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگایا کرتے تھے[4]۔

[1] رسالۂ قشیریہ ۔ ۶۷ ۔ [2] رسالۂ قشیریہ ۔ ۱۳۹ ۔ [3] رسالۂ قشیریہ ۔ ۷۵ ۔ [4] رسالۂ قشیریہ ۱۴۲ ۔

عبدالرحمٰن خراسانی جن خراسانی لوگون کو بغداد مین حضرت شبلی کی صحبت نصیب ہوئی اور اُن سے فیض پہونچا اُن مین یہ بھی تھے۔ اُنھین کا بیان ہے کہ کسی نے حضرت شبلی کے دروازے پر دستک دی۔ ننگے سر اور ننگے پاؤن نکل آئے۔ اُس نے اِن کا نام لے کے پوچھا "وہ کہان ہین؟" کہا "وہ کافر، خدا اُس پر رحم نہ کرے"۔ ایک دفعہ شبلی جوشین آ کے خود اِن سے پوچھ بیٹھے تھے کہ "شبلی کے سوا کسی اور کو بھی کبھی اللہ کہتے دیکھا ہے؟" اِنھون نے بے تکلفی سے کہا "شبلی کو تو کبھی بھی اللہ کہتے نہین سُنا"۔ اِس جواب نے ایسا اثر کیا کہ شبلی غش کھا کے گر پڑے۔

شیخ احمد استرآبادی حضرت شبلی کی صحبت کا فخر حاصل کیا تھا۔ اور خراسان کے شیخ باطن تسلیم کیے جاتے تھے۔ ایک دن شبلی نے اپنے ہاتھ سے اِن کی شارب کھول دی تھی یعنی لبین کتر دی تھین۔ اِس کو اپنے لیے اتنا بڑا سرمایۂ برکت خیال کیا کہ پھر کسی کو مونچھون مین ہاتھ نہین لگانے دیا۔ یہ ایک عجیب حیرت انگیز اور حد شرع سے گزرا ہوا واقعہ ہے۔ مگر فقرا اور صاحب باطن لوگون سے کبھی کبھی ایسی بدعتین ضرور ہو جایا کی ہین۔ جو اُن کے سچے جوش اور نیت خیر کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ جل شانہ کی درگاہ مین قابل معافی ہون گی۔

ابو مقاتل احمد بن مقاتل عکّی حضرت شبلی کی صحبت فیض سے اکثر برکت حاصل کیا کرتے۔ اِنھین نے اِن کو مونچھون کے بال اُکھاڑتے دیکھ کے سوال کیا تھا۔ اور یہی ایک مرتبہ صف مین شبلی کے برابر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ امام کو آیۂ کریمہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ سُن کے وہ بے اختیار ہو گئے۔ اِس

ملہ نفحات الانس - ۱۶۹ - عہ نفحات الانس - ۲۹۲ - سے رسالہ قشیریہ - ۴۴ - ۲۰۲ -

زیادہ اِن بزرگ کے حالات نہین معلوم ہو سکے۔

ابو الحسین مروالروذی۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ اور بغداد مین صحبت شبلی سے فیض اُٹھاتے تھے۔ انھین نے پوچھا تھا کہ "اکرم الاکرمین (سب فیاضون سے بڑا فیاض) کون ہے؟" فرمایا "وہ جس نے کسی خطا پر ایک شخص کو معاف کر دیا تو پھر اس گناہ کی وجہ سے کسی پر عذاب نہ کرے گا۔"[۷]

ابو بکر صیدلانی۔ یہ بھی خاک فارس سے ظاہر ہوئے۔ اور عراق و بغداد مین آ کے حضرت شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ جناب شیخ شبلی ان کی بھی تعظیم و تکریم کیا کرتے۔ مگر آپ کے بعد واپس جا کے نیشاپور مین اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جہان انتقال کیا۔ اور آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔[۸]

ابو محمد ہروی۔ حضرت شبلی کے انتقال کے وقت یہ اکثر حاضر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ شب وصال کو رات بھر موجود رہے۔ اور کہتے ہین کہ شبلی کا ساری رات یہ عالم تھا کہ بار بار دو شعر پڑھتے[۹] جو وفات کے حالات مین بیان کیے جائین گے۔

بکیر دینوری آپ کے مرید اور آپ کے خادم تھے۔ مرض موت مین آپ کے پاس حاضر تھے۔ انھین سے آپ کے انتقال کے چند حالات مروی ہین[۱۰] اِن کا سنہ وفات ہمین نہین معلوم ہو سکا۔

ابو بکر اصفہانی۔ ان کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضرت ابو بکر شبلی کے خادم تھے[۱۱] اِس کے سوا ان کا اور کچھ حال نہین معلوم ہو سکا۔

۷ھ نفحات الانس ۲۶۰۔ ۸ھ نفحات الانس۔ ۱۶۹۔ ۹ھ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۶۹۔

۱۰ھ روض الریاحین ۱۹۰۔ و نفحات الانس ۱۷۷ ۱۱ھ نفحات الانس۔ ۲۲۱۔

فاطمۂ نیشاپوریہ۔ یہ خاتون بھی حضرت شبلی کے فیض روحانی سے بہرہ یاب ہوئی تھی۔ اور غالباً آپ کی خادمہ تھی۔ جب حسین بن منصور حلاج کی نسبت علما نے قتل کا فتویٰ دیا ہے اور اُن کی نسبت لوگون مین طرح طرح کے خیالات مشہور ہوئے ہین تو حضرت ابوبکر شبلی نے اِس خاتون کی معرفت اُن سے چند سوالات کے جواب طلب کیے تھے۔ع۵

اِن بزرگون کے علاوہ چند اور محترم نام بھی ہین جن کے مختصر حالات ابھی ہمین نہین معلوم ہوسکے۔ مگر آپ کی صحبت فیض مین کہین نہ کہین ضرور نظر آ گئے ہین۔ مناسب ہوگا کہ اُن کے قابل قدر نامون سے بھی ہم ناظرین کو محروم نہ رکھین۔ لہذا اُن کی مختصر فہرست بھی پیش کیئے دیتے ہین (۱) احمد بن محمد بن زید جنھین آپ نے عارف کی شان بتائی تھی۔ (۲) محمد بن محمد بن عبدالوہاب جن کے سامنے آپنے فرمایا کہ معرفت کیا چیز ہے۔ (۳) منصور بن عبداللہ جن کو آپ سے معلوم ہوا کہ شان محبت کیا ہے۔ (۴) ابوعلی مغازلی جنھون نے اپنے اوپر آیات قرآنی کے اثر دن کو حضرت شبلی کے سامنے بیان کرکے جواب شافی پایا۔ (۵) عبداللہ بن علی جن سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ سماع نے شبلی پر کیا اثر کیا تھا۔ (۶) ابوعمران جو علماے زمانہ مین تھے شبلی کے حلقۂ فیض کے برابر جامع بغداد مین بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے اور جو ایک مسئلۂ فقہی مین حضرت شبلی کی تحقیقات سُن کے حیران ہوگئے تھے۔ (۷) ابوبکر رازی جن سے روایت ہے کہ شبلی نے علما کے علم کو باعث فساد بھی خیال کیا۔ (۸) ابوالحسن تمیمی جنھون نے ایکبار حضرت شبلی کو مستانہ وار چند اشعار پڑھتے سُنا۔ (۹) طاہر فقیہی اِن سے بھی شبلی کی شعرخوانی

ع۵ لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن۔ جلد اول صفحہ ۴۳۴۔

مروی ہے۔ (۱۰) ابن بشار جو لوگون کو شبلی کی صحبت مین آنے سے روکتے تھے اور پھر ایک مرتبہ مل کے ایسے معتقد ہوئے کہ اِس سے باز آگئے۔ (۱۱) حسین بن منصور حلاج جو علما کے حکم سے قتل ہوئے۔ اور جن کا مختصر حال حضرت جنید کی سیر مین لکھا جا چکا ہے۔ (۱۲) شیخ ابوزرعہ رازی۔ (۱۳) شیخ ابو نصر قیانی (۱۴) حسین بن احمد صفار جن کے ہاتھ مین دوات دیکھ کے شبلی نے فرمایا تھا کہ اپنی سیاہی ہٹاؤ۔

اِن کے سوا اور خدا جانے کتنے گران پایہ معاصر اور فیض یابان صحبت ہون گے جن کے نام ہم نہین جانتے۔ مگر اِس فہرست کے خاتمہ پر ہم فاتحہ اور دُعاے مغفرت مین اُنھین بھی شریک کر کے درگاہ رب العزت مین عرض کرتے ہین کہ "خداوندا اپنے فضل و کرم سے تو اُن سب کی مغفرت کر۔ اور ہمین اُن کے نقش قدم پر چلا"۔

وفات

مومن کی وفات کیا۔ ایک قیدی تھا جو قید خانہ سے چھوٹا اور آزمائش گاہ دُنیا کے آلام و مصائب سے اُسے نجات مل گئی خصوصاً اُس مومنِ پاک طینت کی وفات جو "موتوا قبل ان تموتوا" کے سچے اصول پر عمل کر کے اپنی ہستی پہلے ہی مٹا چکا ہو۔ اور توحید کی دُھن مین فنا ہو کے ایسا مٹ گیا ہو کہ اُسے اپنی زندگی و موت کا امتیاز ہی نہ باقی رہا ہو۔ مگر لوگون کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ولیِ کامل اور مست جام الست کی موت کیسی ہوا کرتی ہے۔

شیخ ابوبکر شبلی کی موت جان کی نظر مین نہین صرف ہمارے خیال مین موت ہے۔ نہایت ہی اطمینان و سکون کی موت تھی۔ وصال کا زمانہ قریب آیا تو بار بار یہ

زبان مبارک سے یہ کلمات نکل جاتے کہ "بہت سے مقامات ہیں کہ اگر وہاں میں مروں تو لوگوں کے لیے ایک عذاب و مصیبت ہو جاؤں"۔ جس دن سفر آخرت کیا ہو اس سے پہلی شب کو ساری رات بار بار یہ شعر زبان سے نکل جاتا تھا۔

وَجْهُكَ الْمَأْمُولُ حُجَّتُنَا   يَوْمَ تَأْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ

تیرا چہرہ جو امیدگاہ ہے اُس روز ہماری حجت ہوگا جس دن سب لوگ اپنی اپنی حجتیں لے کے حاضر ہوں گے۔

ابو محمد ہروی جو آپ کے باصفا عقیدت کیشوں میں تھے فرماتے ہیں کہ اس شب کو میں صبح تک پاس بیٹھا رہا۔ اکثر انھیں دو شعر پڑھتے سنتا تھا۔ جن میں دوسرا شعر تو یہی ہے اور پہلا یہ تھا کہ۔

كُلُّ بَيْتٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ   غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى السُّرُجِ

جس گھر میں تو رہتا ہو اُسے چراغ کی ضرورت نہیں یعنی تیرا رُخ روشن چراغ کا پورا کام دے دے گا۔

اس موقع پر آپ کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی جو آپ کے روحانی کمالات کے دیکھتے قابلِ حیرت نہیں۔ آپ کے خادم اور مرید بکیر کہتے ہیں حضرت ابو بکر شبلی مرضِ موت میں مبتلا تھے کہ اتفاقاً جمعہ کا روز آیا۔ اور مرض میں گو تخفیف نہ آئی۔ بچھونے سے اُٹھے۔ اور دینداری کے جوش نے اتنی طاقت پیدا کر دی کہ مجھ پر سہارا دے کے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔ کتب فروشوں کے بازار تک پہنچے تھے کہ ایک تازہ وارد شخص راستے میں ملا

؎ رسالۂ قشیریہ ؎ تذکرۃ الاولیاء ؎ رسالۂ قشیریہ ۱۰۹۔

جو رصافہ سے آیا ہوا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا "کل مجھے اِس شخص سے ایک سابقہ پڑے گا" مین نے اِس بات کا کوئی خیال بھی نہین کیا۔ اور اُنھین جامع مسجد مین لے جا کے نماز پڑہائی۔ پھر گھر مین واپس لایا۔ خدا کی قدرت اُسی رات کو اُن کا انتقال ہوگیا۔ اور کسی اچھے غسل دینے والے کی تلاش ہوئی۔ لوگون نے کہا کہ بھشتیون کے محلہ مین ایک نیک نفس و پرہیزگار شخص ہے جو غسل میت دیا کرتا ہے۔ مین فوراً اُس کے لانے کو روانہ ہوا۔ اور لوگون نے مجھ اُس کے دروازہ پر لیجا کے کھڑا کر دیا۔ مین نے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی اور بہ آواز بلند کہا "السلام علیکم" فوراً اندر سے یہ آواز آئی "کیا شبلی کا انتقال ہوگیا؟" مین نے کہا "ہان" یہ جواب سنتے ہی وہ باہر نکل آیا۔ اب جو صورت دیکھتا ہون تو وہی شخص ہے جس کی طرف کل حضرت شیخ نے اشارہ کیا تھا دیکھتے ہی میرے دل پر کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ بے اختیار مُنہ سے نکلا "لا الہ الا اللہ" اُس نے بھی کہا "لا الہ الا اللہ" پھر پوچھا "آپ کو حیرت کس بات پہ ہے؟" مین نے کل کی ساری سرگذشت بیان کی اور پوچھا "آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کیونکر معلوم ہوگئی؟" اُس نے کہا "عجب احمق ہو۔ آخر شبلی کو آج کے سابقے کی کیونکر اطلاع ہوگئی تھی۔؟"[۱]

جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی اور وصال کی گھڑی سر پر آگئی تو آپ کی بیقراری بڑھی۔ وہ فنائیت جو مخلوقیت کی طرف آنے ہی نہ دیتی تھی ذرا کم ہوئی کیونکہ ضرور تھا کہ آپ کو جام مرگ پلایا جائے اور اُس کے مزے کو آپ چکھین۔ اِس حالت مین آپ کو اپنی انسانیت اور معاصی کا خیال آیا۔ فرمایا "دو ہولئین چل ہی ہین

[۱] عوارف المعارف۔ ۱۹۰

ایک لُطف کی اور دوسری قہر کی جس پر لُطف کا جھونکا چل گیا وہ مقصود تک پہونچ گیا۔ اور جس پر قہر کی ہوا چلی حجاب مین گرفتار ہو گیا۔ دیکھیے اب اس وقت ہوائے لُطف آتی ہے یا ہوائے قہر۔ اگر ہوائے لُطف کا جھونکا آیا تو اُس کی امید پر ہر طرح کی سختیان اور ساری نامرادیان برداشت کر سکتا ہون۔ لیکن اگر کہین ہوائے قہر چل گئی تو گیا گذرا ہوا۔ اُس کی آفت کے سامنے کسی سختی اور بلا کی ہستی نہین[۱۵]

اب نزع کا عالم طاری تھا۔ لوگون نے کہا "کہیے لا الہ الا اللہ" جواب مین ایک نظم پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ "سُلطان محبت رشوت نہین قبول کرتا"[۱۶] لیکن باوجود اس محویت اور دریائے توحید مین غرق ہونے کے دینداری کی حس اِس قدر صحیح تھی کہ بیماردارون کی طرف دیکھ کے فرمایا "ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی ہے اُس کے لیے ہزارون درہم خرچ کر چکا ہون۔ مگر دل پر سے اُس کا بار نہین ہٹتا"[۱۷]

چونکہ سب کو آپ کے انتقال کا یقین ہو گیا تھا اس لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ مین شریک ہون۔ اِس امر کو آپ سمجھ گئے اور اُن لوگون کو دیکھ کے فرمایا "عبرت کی بات ہے کہ مُردون کی جماعت زندے کی نماز پڑھنے کو آئی ہے"[۱۸] حقیقت شناسون کے نزدیک یہ دُنیوی زندگی موت ہے اور اُس عالم کی ابدی زندگی حیات یہ یقین آخری سانس تک آپ کے دل مین تھا۔ اور واقعی اس جملہ کا حاضرین پر بڑا اثر پڑا ہو گا۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ خدا کے پاس جانے اور دربار رب العزت مین حاضر ہونے کا وقت آ گیا جعفر بن نُصیر بکران دینوری کی طرف دیکھ کے فرمایا "مجھے وضو کراؤ"

---

۱۵ تذکرۃ الاولیا - ۲۰۶ ۔ ۱۶ ۔ ۱۷ رسالہ قشیریہ ۱۸۰ ۔ ۱۸ عوارف المعارف ۹۰ ۔ ۱۹ تذکرۃ الاولیا ۲۰۷

اُنھون نے فوراً تعمیل ارشاد کی مگر داڑھی مین خلال کرنا بھول گئے۔ لیکن اتنی دیر مین آپ کی زبان بند ہوچکی تھی جعفر کا ہاتھ پکڑ کے خود ہی خلال کرا لیا۔ آپ جو دیکھا تو بالکل ہی آخری وقت تھا جعفر بے اختیار رونے لگے اور ایک آہ کے ساتھ کہا "اُس شخص کا کیا کہنا جس نے مرتے دم تک آداب شریعت مین سے ایک چیز بھی نہین چھوڑی"۱

آپ اِس وقت کلمۂ توحید کی تلقین کرنی چاہی اور عرض کیا کہ کہیے "لا الٰہ الا اللہ" زبان نے اتنی یاری دی کہ فرمایا "جب غیر ہی نہین تو نفی کس کی کرون؟" لوگون نے عرض کیا "حکم شریعت یونہین ہے۔ آپ کلمہ پڑھین" پھر وہی پہلا جواب دیا کہ "سُلطان محبت کہتا ہے مین رشوت نہ قبول کرون گا" اس وقت کسی شخص نے زیادہ بلند آواز سے کہا کہیے "لا الٰہ الا اللہ" بولے "ایک مردہ زندہ کو تلقین کرنے آیا ہے" ایک ذرا خموشی رہی۔ اور ایک گھڑی بعد لوگون نے پوچھا "اب مزاج کیسا ہے؟" فرمایا "محبوب سے جا ملا" اور اسی فقرے پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۲ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

سنہ ۳۳۴ھ مین برس پورا ہونے کے ساتھ ہی آپ کی عمر بھی پوری ہو گئی۔ ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے کو دو ہی دن باقی تھے کہ جمعہ کا دن آگیا۔ اس سال کے اندر آپ دوسرا جمعہ ملنے کی امید نہ تھی لہٰذا آپ نے جمعہ کی نماز جامع مسجد مین ادا فرمائی اپنی میت نہلانے والے کی صورت دکھائی اور دن کے ختم ہوتے ہی دُنیاے بقا و فنا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے بمقابل اپنے مرشد جنید بغدادی اور دیگر مشائخ زمانہ کے بہت

---

۱ رسالۂ قشیریہ - ۱۸۱ ۲ تذکرۃ الاولیاء - ۲۰۷ -

زیادہ عمر پائی۔ کیونکہ ۸۷ برس جیے۔ اور بغداد کے مقبرۂ خیزران میں دفن ہوئے۔[۹۸]

لوحِ تربت پر آپ کا نام جعفر بن یونس کندہ تھا۔ مگر اکثر علمائے سیرۃ نے آپ کا نام دُلف بن جحدر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نام ہوں۔ جیسا کہ ہم ابتدا میں بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے مزار کی نسبت ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ فی الحال کس حالت میں ہے۔ اور آج کل بغداد میں قبرستان خیزران کا بھی پتہ ہی یا نہیں لیکن قدیم الایام میں مدت دراز تک پتہ لگتا ہے کہ لوگ زیارت کو جاتے اور روحانی فیض و برکت حاصل کرتے تھے۔

اکثر بزرگانِ دین اور راہلِ طریقت نے آپ کے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی وہی شانِ جوش و خروش اور ذوق و شوق کے جذبات نظر آئے۔ چنانچہ ایک شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی تو اُس نے پوچھا "آپ نے آخرت کے بازار کو کیسا پایا؟" فرمایا "بالکل بے رونق۔ سوا جلے ہوئے کلیجوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے کچھ نہیں نظر آتا۔ وجہ یہ کہ یہاں تو جلے کلیجوں پر مرہم رکھا جاتا ہے۔ اور شکستہ دل جوڑے جاتے ہیں۔ بس اس کے سوا یہاں والوں کا اور کوئی کام ہی نہیں۔"[۱۰۰]

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا "منکر و نکیر سے کیونکر نبٹی؟" بولے "اُنھوں نے پوچھا تیرا خدا کون ہے؟ میں نے کہا وہ جس کے حکم سے تم نے اور تمام فرشتوں نے میرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا میں اُنھیں آدم کے

---

۹۸ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔ ۹۹ نفحات الانس۔ ۱۶۴۔ ۱۰۰ طبقات الکبری۔ ۱۲۲

۱۰۱ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۸۔

صُلب میں تھا اور تمھیں دیکھ رہا تھا۔ یہ جواب سُن کے وہ بولے اِس نے تو ساری نسل آدم کی طرف سے جواب دے دیا ہے[3]"

کسی اور نے دیکھا تھا۔ پوچھا "اللہ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟" فرمایا "اس نے ایسی پوچھ گچھ کی کہ میں مایوس ہو گیا تھا۔ اور مجھے کوئی امید نجات نہیں نظر آتی تھی۔ لیکن آخر کو جب میری یاس دیکھی تو اپنے آغوش رحمت میں لے لیا[4]"

اسی طرح ایک اور صاحب نے آپ کو خواب میں دیکھ کے یہی سوال کیا کہ "خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟" بولے باوجود اُن تمام دعووں کے جو مجھ سے ظاہر ہوا کرتے تھے اُس نے کسی بات کا مطالبہ و محاسبہ نہیں کیا۔ لیکن ایک روز میں کہہ بیٹھا تھا اِس سے بڑھ کے کوئی نقصان نہ ہو گا کہ تو بہشت سے باز رہے اور دوزخ میں جائے۔ میرے اِس فقرے پر عتاب کیا۔ اور ارشاد فرمایا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگ میرے دیدار سے محروم رہیں اور محجوب ہوں[5]"

آپ سنہ ۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے تھے جس سال کہ خلفائے عباسیہ میں سے المتوکل علی اللہ مارا گیا اور المنتصر نے سریر خلافت پر قدم رکھا۔ اور وفات سنہ ۳۳۴ھ میں ہوئی جس سال کہ المستکفی باللہ سریر خلافت سے اُتارا گیا۔ اور المطیع للہ نے تاج خلافت پہنا۔ اِس ستاسی برسوں میں خلافت بڑے بڑے پلٹے کھائے تھے۔ آل عباس کے بارہ ہاشمی خلیفہ تخت پر بیٹھے اور اُترے خصوصاً آپ کی ولادت کے زمانے میں ایسی سُرعت سے تغیرات ہو رہے تھے کہ جب تک آپ نو برس کے ہوئے ہوں چار خلیفہ تخت سے جُدا کیے جا چکے تھے

---

[3] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۷ [4] رسالہ قشیریہ ۳۴۴۔ [5] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۸۔

اس کے بعد تخت و تاج خلافت کو ذرا استقلال حاصل ہوا تھا۔ مگر آپ کے آخر زمانے مین یعنی ۳۳۳ھ اور ۳۳۴ھ مین دو عباسی تاجدار تخت سے اُتارے اور بہ کمال بے رحمی سے اندھے کیے گئے۔ اول الذکر سال مین یہ ہوا کہ خلیفۂ المتقی للہ کشتیون پر سوار ہو کے رقّہ سے بغداد آ رہا تھا۔ سندیہ نام ایک مقام مین ٹھہر گیا۔ اور ترکون کا امیر اعظم تورون جسے المتقی نے امیر الامرائی کا خلعت پہنایا تھا تجدید عہد کے بہانے سندیہ مین آ کے اُس سے ملا۔ جہان علم نام ایک عورت کی سازش سے اُس نے خلیفہ کی آنکھون مین سلائی پھیر دی۔ اور اُسے اندھا بنا کے المستکفی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تورون تو دوسرے سال یعنی ۳۳۴ھ کے شروع ہی مین مر گیا۔ لیکن اب بغداد پر معز الدولہ بن بویہ کا عمل دخل تھا جس کے آتے ہی مارے ڈر کے خود خلیفہ المستکفی چھپتا پھرتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ وحشت کم ہوئی۔ خلیفہ معز الدولہ سے ملا بیعت لی۔ اور اُسے دوست بنا لیا۔ مگر اہل بغداد پر سب سے بڑی یہ آفت نازل تھی کہ خود معز الدولہ تو خلیفہ کا مہمان ناخواندہ بنا ہوا تھا۔ اور اُس کے لشکری جبراً و قہراً رعایائے بغداد کے مہمان بنائے گئے تھے جس آفت سے بغداد والون کو کبھی سابقہ نہین پڑا تھا۔ اتفاقاً اِسی زمانے مین اُسی عورت علم نے جو اب المستکفی کی نفس ناطقہ اور دربار پر چھائی ہوئی تھی ایوان خلافت مین دیلمیون اور ترکون کی ایک دعوت کی۔ اِس پر معز الدولہ کو یہ بدگمانی ہوئی کہ علم فوج والون کو میرے خلاف اُبھارنا چاہتی ہے۔ اِس کے بعد المستکفی نے استمالت کے لیے معز الدولہ کو خود ہی بُلا بھیجا۔ ۲۲۔ جمادی الآخر کو وہ ایوان خلافت مین آ کے شان و تمکنت سے بیٹھا۔ حاکم خراسان

کا سفیر بھی حاضرِ دربار تھا کہ یکایک دو دیلمی نقیب غُل مچاتے ہوے آئے اور خلیفہ کے ہاتھ کی طرف بڑھے۔ مستکفی سمجھا کہ دست بوسی چاہتے ہین۔ آپ ہی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور اُنھون نے بجاے دست بوسی کے خلیفہ کو ہاتھ پکڑ کے تخت سے کھینچ کے نیچے گرا لیا۔ پھر اُسی کے عمامہ سے اُسکی گردن باندھی۔ اور معزالدولہ کے گھر مین پکڑ لے گئے۔ ساتھ ہی ایوان خلافت اِس طرح لوٹا گیا کہ کوئی ادنیٰ چیز بھی نہین باقی رہی۔ ابو احمد شیرازی جو مستکفی کا کاتب تھا وہ بھی قید کر لیا گیا۔ علَم کی جو محل خانہ کی داروغہ تھی زبان کاٹ لی گئی۔ اور المطیع للہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے غریب مستکفی اُس کے حوالے کر دیا گیا جس نے سنگدلی سے اُسے سلائیان پھیر کے اندھا کر دیا۔[۱]

یہ واقعات ہنگامہ مصیبتین اور آفتین تھین جنھین حضرت شبلی نے وفات سے چھ مہینے پہلے دیکھا تھا۔ مگر اُن کی لَو تو خدا سے لگی ہوئی تھی اِن معاملات کا اُن پر بہت ہی کم اثر پڑا ہو گا۔ اور شاید اُنھون نے خیال بھی نہ کیا ہو کہ بغداد مین کیا ہو رہا ہے۔

یہ بھی سلطنت اور حکومت کی باتین تھین جن سے سوا معززین سلطنت کے تمام رعایا کو کم دخل ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت شبلی کی وفات کا زمانہ سلطنت ہی کے لیے نہین رعایا کے لیے بھی قیامت خیز اور سخت آفتون کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اِس سال بغداد مین ایسا سخت قحط پڑا جیسا کہ اور کبھی نہین دیکھا گیا تھا۔ غذا کی کمی سے یہ حالت ہو گئی کہ لوگ مُردار جانورون کو کھانے لگے۔ بہت سے لوگ

۱؎ ابن اثیر۔ جلد ۸۔ ۱۴۸۔

کتّون اور بلیون کو پکڑ کے کھا گئے۔ بعض لوگ اس درجے تک عبرت روزگار بنے کہ خود اپنے بچّون کو بھون کے کھاتے ہوئے پائے گئے۔ جب اور کچھ نہ ملا تو لوگون نے کانٹے کھانا شروع کیے۔ جس کی وجہ سے امراض اور اورام کی شدت ہوئی۔ اور ہر گلی کوچے مین موت کا بازار گرم ہو گیا حتّٰی کہ مُردون کو دفن کرنا دشوار تھا۔ لاشین باہر پڑی سڑتین اور کتّے اور جانور اُنھین نوچ نوچ کے کھاتے۔ آخر بہت سے لوگ بغداد چھوڑ کے بصرے کی طرف چلے۔ کہ شاید وہان اس عذاب الٰہی سے چھٹکارا ہو۔ مگر اُن مین سے اکثر تو راستے ہی مین مر گئے۔ اور جو زندہ پہونچے وہ بصرے پہونچ کے مرے۔ جان بر کوئی نہو سکا۔ خلاصہ یہ کہ بغداد مین مکان اور جائدادین ایک ایک ٹکے پر بک گئین۔[سلہ]

معترفین کمال

باوجود اُن شدید ترین مخالفتون بلکہ عداوتون اور آزار رسانیون کے جن کا ذکر ہو چکا ہے آپ کے کمالات باطنی کی خاص کرامت تھی کہ مخالفون مین جس قدر جوش مخالفت بڑھتا اُس سے زیادہ زمانہ آپ کے موافق اور آپ کے فضل و کمال کا معترف ہوتا جاتا اور یہان حتّٰی کہ ابن بشار اور ابو بکر مروزی کے ایسے مستند اور مشہور زمانہ علما اختلاف و اعتراض کرنے کے لیے آئے اور جب آپ کی تقریر سُنی تو اپنے شکوک و شبہات سے باز آ کے حلقہ بگوش عقیدت ہو گئے۔ جامع بغداد کے اندر جن محترم فاضل کے زمانے مین امتحان لینے کے طریقے

سلہ ابن اثیر۔ جلد ۸۔ ۱۵۳ و ۱۵۴۔

سے فقہی مسئلہ پوچھا تھا وہی آپ کی وسیع معلومات اور آپ کا تبحر علمی دیکھ کے اس درجہ عش عش کر گئے کہ اُسکے لئے معذرت خواہ ہوئے۔ اور اقرار کر لیا کہ آپ کی تقریر سے ہمین وہ باتین معلوم ہو گئین جو نہین معلوم تھین۔

وہی سلطنت جس نے مشائخ صوفیہ کو مجرم قرار دیا تھا۔ حضرت جنید بغدادی جس کے خوف سے بظاہر فقیہ اور باطن مین شیخ باطن بنے رہتے تھے جس نے نوری کو پا بزنجیر کیا۔ جس نے خود حضرت شبلی کے دست حسین بن منصور کو نہایت عبرت ناک طریقے سے قتل کیا اُسی کی یہ حالت تھی کہ جب یہ بیمار ہوئے تو وزیر سلطنت عیادت کو آیا۔ اور شاہی طبیب کو خلیفہ سے باضابطہ اجازت حاصل کر کے آپ کے علاج کے واسطے مامور کیا۔

دیگر ممالک اور بلاد کے مشائخ آپ کے خلاف ہوئے تو عراق کے تمام مشائخ اور ذوق یابان معرفت آپ کے طرفدار اور اُن کی تردید پر آمادہ ہو گئے۔

وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے جذبات کو علانیہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اس اظہار مین سچائی اور راست بازی تھی۔ یہ صرف راستبازی ہی کی برکت تھی کہ جو مسائل آپ کی زبان سے اور آپ کی صحبت فیض مین سنے جاتے چاہے کیسے ہی نئے اور انوکھے ہون اور علمائے زمانہ کو اُن سے چاہے کیسی ہی وحشت ہوتی ہو مگر آپ کی زبان سے وہ ایسے صدق اور خلوص سے نکلتے تھے کہ اپنا معجزنما اثر کر دکھاتے۔ اور دشمن کو بھی اسیر دام عقیدت کر لیتے۔

اسلام کی اشاعت مین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کو خاص دخل تھا جس وقت تک آپ ایمان نہین لائے صحابہ کعبہ مین جا کے

علانیہ عبادت نہ کر سکتے۔ اور نہ علی رؤس الاشہاد اعتراف توحید کی اُنھیں جرأت ہوسکتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے دین برحق کے قبول کرتے ہی فرمایا کہ جب کفار علانیہ کفر و شرک کے رسوم کو بجا لاتے ہیں تو ہم خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت علانیہ کیوں نہ کریں۔ اور اُسی وقت جا کے کعبہ میں نماز پڑھی۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی بنیاد پڑ گئی۔

یہی شان اصول معرفت کے اظہار اور رموز حقیقت کی تبلیغ میں جناب شیخ ابوبکر شبلی سے نمایاں ہوئی۔ آپ کے زمانے تک اصول تصوف کی تلقین خفیہ طور پر کی جاتی تھی۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اُن کے اخفا کی یہاں تک کوشش کرتے کہ دروازہ مقفل کر کے کنجی زانو کے نیچے رکھ لیتے تو زبان کھولتے۔ مگر حضرت شبلی نے شیخ و مرشد کے زمانے ہی سے اپنے خیالات و جذبات کو علانیہ ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بعد کو تصوف کو اس قدر ترقی دی اور اُس کے مسائل مخفیہ کی اس قدر اشاعت کی کہ زمانے میں ہر طرف لوگ اس متبرک فن کے معترف ہونے لگے۔ اور آپ کی دلیرانہ کوشش نے ہر جگہ ایسے ایسے جویائے حقیقت پیدا کر دیے کہ سارے ممالک اسلام مئے وحدت کے خمخانے بن گئے۔ اور جہاں دیکھیے اسی روحانی شراب کا جام چل رہا تھا۔

چنانچہ بعض متقدمین نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصول تصوف کو پہلے حضرت ذوالنون مصری نے بیان کیا جو امام دار الہجرت حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پھر حضرت جنید بغدادی نے اُنھیں ترقی دی۔ اور اُن کو مدوّن و منضبط کیا۔ اور پھر پیچھے اُن کی تبلیغ میں علانیہ آواز حضرت شیخ

ابوبکر شبلی نے بلند کی۔[۱]

آپ کی یہی خیر و برکت تھی جو روز بروز آپ کی مقبولیت اور قدر و منزلت کو بڑھاتی ہی رہی۔ چنانچہ لوگون مین علی العموم مشہور تھا کہ شہر بغداد مین (جو اُن دنون دُنیائے اسلام کا قلب تھا) بلحاظ تصوف تین عجائبات ہین۔ (۱) اشارات یعنی رموز کے بتانے مین شبلیؒ۔ (۲) مکاشفات مین مرتعش۔ (۳) حکایات مین جعفر خلدیؒ۔[۲]

یہ دونون بزرگ جو حضرت شبلی کے ساتھ عجائبات بغداد بتائے گئے ہین خود بھی حضرت شبلی کے کمال کے معترف تھے۔ شیخ شبلی کا نعرۂ مستانہ جس کا کئی بار ذکر آچکا ہے مشہور تھا۔ اور یہ دونون حضرات مرتعش اور خلدی نعرۂ شبلی کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ اور آپ کی تعریف مین رطب اللسان رہتے۔

چنانچہ مرتعش کا یہ قول تھا کہ عجائب بغداد تین ہین (۱) نعرۂ شبلی۔ (۲) نکتۂ مرتعش یعنی خود میرے نکات و رموز۔ (۳) حکایات خلدیؒ۔[۳] اور خلدی بھی اُن کے اس دعوے کی تائید مین فرماتے۔ اور اپنے وسیع تجربے کو پیش کر کے کہتے کہ "مین نے دو ہزار مشائخ دیکھے ہین مگر عراق مین تین عجائبات جمع نظر آئے (۱) نعرۂ شبلی۔ (۲) نکتۂ مرتعش۔ اور (۳) حکایات میری۔"[۴]

ان دونون بزرگون نے اگرچہ حضرت شبلی کے نعرۂ مستانہ کو عجائبات بغداد و عراق مین بتایا ہے اور اس عام شہرت کی طرف نہین توجہ کی کہ ابوبکر شبلی کے

---

۱ ایڈورڈ براؤن۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ جلد اول۔ ۹۰۔ ۲ طبقات الکبریٰ للشعرانی۔ ۱۲۴۔
۳ نفحات الانس۔ ۱۹۰ ۴ نفحات الانس۔ ۲۱۳۔

اشارات یعنی آپ کی رمز فہمی سب سے زیادہ عجیب چیز تھی۔ اُن کا نعرۂ شبلی کا معروف ہونا بجا ہے۔ کیونکہ یہ پُرجوش و پُرشور نعرہ اُن کے کانون مین گونج رہا ہوگا مگر آیات قرآنی کے معانی بتانے اور دیگر امور مین آپ جس ذہانت و طباعی سے غور کر کے نکات و حکم کا پتہ لگایا کرتے تھے وہ ہمین آپ ہی کا حصہ نظر آتا ہے۔

دراصل سرشارئ وحدت ہونے کی وجہ سے آپ کے دیگر کمالات جذب و جوش کے دامن مین اس قدر چھپ گئے تھے کہ کوئی تعجب کی بات نہین اگر بعض معاصرین کی اُن پر نظر نہ پڑی۔ اور واقعی آپ کا جوش و خروش غیر معمولی اور قیامت خیز تھا۔ دُنیا کی ہر ہر بات سے عبرت حاصل کرتے۔ اور عبرت کے ساتھ ہی ایسا جوش پیدا ہوتا کہ اُس کے اظہار کے وقت لوگون کو بھی ازخود رفتہ کر دیتے اور خود بھی بیہوش ہو کے گر پڑتے۔

چنانچہ آپ کے بعد شیخ خرقانی جو ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے صاحب کشف صوفی تھے اکثر کہا کرتے "ابوبکر شبلی ہی تھے جو مست جیے اور مست مرے۔ اس لیے کہ مین نے عالم مکاشفہ مین اُنھین اس وضع مین دیکھا کہ میرے سامنے ہوا مین رقص کر رہے ہین[۱]"

انھین امور نے آپ کے بعد لوگون کا عام خیال آپ کی طرف اس قدر رجوع کر دیا تھا کہ بعض لوگون مین آپ کے حالات کی جستجو کا توغل بے انتہا بڑھ گیا تھا۔ بجائے اس کے کہ رسول اللہ صلعم کے حالات پوچھین عالم [illegible] شبلی کے [illegible] دریافت کرتے۔ چنانچہ شیخ ابو [illegible] ابو [illegible] ابوالحسن [illegible] سے ملنے کو آئے [illegible]

[۱] نفحات الانس - ۱۳۹

کی دشواریان نہین معلوم؟" سُن کے اُس نے یہ شعر پڑھا۔

"دوست آوارگی ہمی خواہد — رفتنِ چج بہانۂ اُفتادست"

مین نے کہا "اے نازپروردہ نوجوان اِس تن پروری سے کام نہین چلیگا۔" بولا۔

"من نہ باختیارِ خود مے روم از قفاے او — آن دو کمانِ عنبرین مے بَرَدَم کشان کشان

لے شبلی میرا تو اسی وضع مین نشو و نما ہوا ہے۔ اس لیے میری اِس فرو گذاشت کو معاف کرو۔"

مین نے پوچھا "اچھا سیب کیون سونگھ رہے ہو؟" بولا "تاکہ بادِ خیز صحرا کی خونخوار بادِ سموم سے نجات اور فرحت حاصل ہو۔ اِس لیے کہ مین پھولون کی خوشبو کا عادی ہو رہا ہون گو دلبرون کے ساتھ رہا ہون۔ اور دل کی کلی کھلتی رہی ہے۔" مین نے کہا "اچھا آؤ ہم تم اِس سفر مین ساتھ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہین۔" بولا "خدا کی قسم یہ نہ ہوگا۔ تم خرقہ پوش مین جُرعہ نوش۔ مین خراباتی تم مناجاتی کل بھی جام مے گلگون اُڑا چکا ہون۔ اور اِس وقت تک خمار کا اثر باقی ہے۔ بھلا میرا تمھارا نباہ کیونکر ہوگا۔" یہ جواب سُن کے مین اُس سے جُدا ہو گیا۔ اور پھر آگے پھر اُس سے ملنے کا اتفاق نہین ہوا۔ یہان تک کہ قافلہ مکۂ معظمہ مین پہونچا۔ وہان ایک دن جبکہ بڑی سخت گرمی تھی کیا دیکھتا ہون کہ وہی نوجوان میزاب (کعبہ شریف کے پرنالے) کے نیچے پڑا ہوا ہے چہرہ زرد اور مُرجھایا ہوا۔ ناتوان اور بیمار۔ نہ وہ کپڑے ہین۔ نہ وہ دستار ہے۔ نہ وہ جوتیان ہین۔ مگر وہی سیب ہاتھ مین ہے۔ جسے ناک کے پاس لیجا کے سونگھتا اور یہ شعر پڑھتا ہے۔

لَدَغَتْ حَیَّۃُ الْھَوٰی کَبِدِی   مَالَہٗ رُقْیَۃٌ وَلَا رَاقِی

واقعی عشق نے کلیجہ ڈس لیا۔ اسکا نہ کوئی اُتارا ہے اور نہ کوئی جھاڑنے والا۔ مین نے
چاہا اُسے چھوڑ کے آگے بڑھون کہ اُس نے دامن پکڑ لیا۔ اور کہا شبلی مجھے پہچانتے ہو؟
مین نے کہا "تمھارا یہ حال کیونکر ہوا؟" بولا "فریاد فریاد! یہ وہ راستہ ہے جس مین معشوق
بنا کے لاتے ہین اور عاشقی مین مبتلا کر دیتے ہین" مین نے پوچھا "یہ وہی سبب ہے
جسے تم لے کے چلے تھے؟" بولا "اس سبب کی مصیبت سے بھی فریاد ہے شبلی
دیکھتے ہو میرے ساتھ کیا کیا؟ اور کس طرح پامال غضب بنا دیا؟ پہلے تو کہا تو معشوق
ہے جی نہ میلا کر جب مجھے صحراے آزمائش مین مبتلا کیا تو کہا تو عاشق ہے جب
مین عرفات مین پہونچا تو کہا ابھی تو بچہ ہے۔ جب مین واسط مین پہونچا تو کہا تو
درمیانی عمر کا ہے۔ پھر جب مین اس گھر پر پہونچا تو آواز آئی کہ تو اس حرم کا محرم
نہین۔ آخر مایوس ہو کے مین نے غل مچایا ایہا المطلوب۔ اس کا جواب یہ سُنا
کہ ارجع یا محجوب (اے محجوب پلٹ جا) مین اس فکر مین جل کے خاک ہو گیا کہ یہان
کچھ نہین۔ اور اس نغمہ سے آشنا ہوا کہ گھر مین کوئی غیر نہین۔ اے شبلی آج مین
زار و نزار اور اس نزاکت سے بیزار ہون۔ نہ یہ جانتا ہون کہ محب ہون یا
محبوب۔ اور نہ اس کی خبر ہے کہ طالب ہون یا مطلوب۔ حاجون مین ہون
یا کسی اور کا محتاج ہون۔ اسی فکر مین گھنا اور اسی صدمے سے گھلا جاتا ہون۔
بیمار تو نہین ہون مگر اسی فکر کی بیماری ہے" اُس کی آہ و زاری نے میرے
دل پر اثر کیا۔ اُس سے کہا "اچھا آ۔ تجھے اہل ذوق کے پاس لے چلون۔ اور اس
حیرت سے نجات دلاؤن" بولا "شبلی مجھے پڑا ہی رہنے دو۔ اس لیے کہ اس حیرت

میں مجھے ایک دلچسپی ہے اور اس فکر میں مزہ ملنے لگا ہے"۔ جب اس نے یہ کہا تو میں اسے چھوڑ کے چلا آیا۔ اس کے بعد رات بھر میں مسجد حرام کے اطراف و جوانب میں مصروف عبادت و ذکر رہا۔ صبح کو جب خانۂ کعبہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ایک اس شکستہ خاطر جوان کی لاش کو حطیم کے پاس سے اٹھا کے دفن کرنے کے لیے کندھوں پر لیے جاتے ہیں۔ ایک محرم راز حقیقت سے اس کی حالت پوچھی تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

عاشقان کشتگان معشوقند   برنیاید ز کشتگان آواز

ان کے تصانیف ہی پر موقوف نہیں۔ آج تک جو کتابیں تصوف اور روحانی اخلاق میں لکھی جاتی ہیں ان میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی کے اقوال و افعال سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اٹھایا جاتا ہے۔

حکم

آپ کے حکم و دانائی ایک دریائے معرفت کے وہ موتی ہیں جو بہت گہرا غوطہ لگانے سے [illegible] معرفت تو آپ کے شوق توحید راہ پیدا دریائے حقیقت ہونے کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آیات و احادیث وغیرہ میں آپ اپنی ذہانت و طباعی سے ایسے انوکھے معنی نکال لیا کرتے تھے جو ظاہری معنوں سے الگ اور اہل تصوف کے روحانی مذاق کے موافق ہوتے۔

ع۵ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی- ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۷-

شیخ الطائفہ محی الدین بن عربی اور دیگر متاخرین تصرف نے اس قسم کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی میں اعلیٰ درجہ کا کمال دکھا دیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس مذاق تفسیر کی بنیاد حضرت شبلی ہی سے پڑی۔ اور یہ سڑک جس پر تمام بعد والے چلتے رہے ہیں اصل میں حضرت شیخ شبلی ہی کی نکالی ہوئی تھی۔ آپ کے چند اقوال شیخ یہ ہیں کہ آپ نے سے لکھنے اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں اور ایسے ہیں کہ ان سے ہر خیال و مذاق اور ہر گروہ ملت کا آدمی یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے

(۱) آزادی دل کی آزادی ہے اور بس۔

(۲) حق سبحانہ و تعالیٰ سے باتیں کرنے میں شگفتگی ظاہر کرنا بے ادبی ہے۔

(۳) محب اگر خاموش ہوا اور عارف اگر نہ خاموش ہوا تو ہلاک ہوا۔

(۴) شکر منعم کی طرف دیکھنے کا نام ہے نہ نعمت کی طرف دیکھنے کا۔

(۵) استغنا اس کا نام ہے کہ ہر (موجودہ) وقت تجھے قیامت نظر آئے۔

(۶) ہزار سال (کی عبادت) میں ایک وقت کی بھی غفلت رسوائی ہے۔

(۷) دل دنیا و آخرت دونوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ دنیا محنت کا گھر ہے۔ آخرت نعمت کا گھر ہے اور دل معرفت کا گھر ہے۔

(۸) میں اگر بادشاہ کی خدمت نہ کر چکا ہوتا تو مشائخ کی خدمت نہ کر سکتا۔

(۹) حب ایک دہشت ہے ایک خوف میں اور ایک حیرت ہے ایک نعمت میں۔

(۱۰) جو محبت کا دعویٰ کرتا اور پھر محبوب کے سوا اور چیز کا خواستگار ہو وہ محبوب کے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔

سے نفحات الانس ۔ ۴۰/۱۶۷ سے عوارف المعارف ۔ ۱۶۲ سے طبقات الکبریٰ ۔ ۱۲۳ ۔

سے رسالہ قشیریہ ۱۰۶ ۔ ۱۲۳ ۔ ۲۲۹ ۔

(۱۱) جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ خود بلا پر عذاب کرے تو اُسے عارف کے دل مین لاتا ہو۔
(۱۲) کسی نے حق تعالیٰ کو نہین پہچانا۔ کیونکہ پہچانتا تو پھر غیر مین نہ مشغول ہوتا۔
(۱۳) علم ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنی ذات سے اپنے نفس کو متمائز کرکے پہچانے۔
(۱۴) عبارت کی علم زبان ہو۔ اور اشارت معرفت کی زبان۔
(۱۵) ہمت صرف خدا کا طلب کرنا ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے ہمت نہین۔
(۱۶) صاحب ہمت کسی چیز پر مائل نہین ہوتا۔ مگر صاحب ارادہ جھٹ مائل ہو جاتا ہو
(۱۷) جمعیت کلّی کو حقیقت کہتے ہین۔ اور وہ وحدانیت کی ایک صفت ہے۔
(۱۸) مذکور کے مشاہدے کے وقت ذکر کو بھول جانا افضل ترین ذکر ہے۔
(۱۹) حق تعالےٰ کے ساتھ بیٹھنا بغیر کلمہ و کلام کے ہے۔
(۲۰) صابر اہل درگاہ سے ہے۔ راضی اہل پیشگاہ سے ہے۔ اور مفوّض (اپنے آپکو خدا پر چھوڑ دینے والا) اہل بیت سے ہے۔
(۲۱) صادق کی علامت یہ ہے کہ حرام کو منہ سے الگ پھینکے۔
(۲۲) اُنس یہ ہے کہ بندے کو اپنے سے وحشت ہو۔
(۲۳) جو ذکر سے اُنس رکھتا ہے وہ اُس کے برابر کب ہو سکتا ہو جو خود مذکور سے اُنس رکھتا ہو
(۲۴) ہر نعمت کے نیچے تین مکر ہین۔ اور ہر عبادت کے نیچے چھ مکر۔
(۲۵) قرب کی علامت ماسوای اللہ سے قطع کرنا ہے۔
(۲۶) جوانمردی یہ ہو کہ خلقت کی مصلحت کو تو اپنی مصلحت کے مثل مانکہ اُس سے بڑھکر چاہیے
(۲۷) بندہ جو سانس اپنے مالک حضرت ذوالجلالہ کی موافقت مین لیتا ہو وہ تمام عابدون کی قیامت تک کی عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۲۸) یہ گھڑی جس مین تُو ہے (موجودہ گھڑی) ہزار سال گذشتہ اور ہزار سال آئندہ کی بہ نسبت تیرے لیے غنیمت ہے یعنی عالم ارواح مین ماضی و مستقبل یکسان ہین۔ ہوشیار کہ تجھے کوئی جسمانی شے دھوکا نہ دے۔

(۲۹) اہل معرفت کے لیے ایک گھڑی کی بھول بھی شرک ہے۔

(۳۰) جس طرح خلق کا محجوب حق تعالیٰ سے حجاب مین ہے۔ اُسی طرح حق تعالے کا محجوب خلق سے حجاب مین ہے۔

(۳۱) ایک گروہ ہے جس کے افراد وعظ کی صحبتون مین عادت کے طریقے پر جمع ہو جاتے ہین۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے اُسے رسم کے طریقے سے سُن لیتے ہین مگر اس بیٹھنے اور سُننے سے وہ سوا ابتلا کے کسی چیز کے مستحق نہین ہیں

(۳۲) ورع (پرہیزگاری) یہ ہے کہ کُل ماسوی اللہ سے تو پرہیز کرے۔

خاتمہ

ایسے باکمال اور ایسے غریق دریاے معرفت تھے حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اور افسوس کہ اُن کا ذکر خیر بھی ختم ہو گیا۔ اگرچہ ابھی جی نہین بھرا۔ جی چاہتا ہے کہ یہی ذکر ہوتا رہے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم رہے۔ کیونکہ شبلی کو حضرت رب العزت کے ذکر مین جو ذوق وشوق تھا اُس نے خود اُن کے تذکرہ مین بھی ایک مزہ پیدا کر دیا ہے۔ اور یہی مزہ ہے جس نے اس محترم نام کو دُنیاے اسلام مین ہر دلعزیز بنا دیا۔ اور امید ہے کہ قیامت تک یہ نام یونہین ہر دلعزیز رہے گا! اُو

سے تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۳ سے ۷۰۴ تک۔ سے رسالہ قشیریہ۔ ۷۰۔

اِس کی مقبولیت ترقی کرتی جائے گی۔

طبعیات یعنی مادیات کے فنون مین یورپ نے فی الحال جو ترقیان کی ہین وہ عالم پر چھائی جاتی ہین۔ بہ ظاہر حقیقت شناسی و معرفت کا مذاق روز بروز تنزل اختیار کرتا جاتا ہے۔ اور نظر آرہا ہے کہ متالّہین سلف اور علمائے باطن کے مزارون کی شمعین اِس سائنس کے طوفان عظیم کے جھونکون سے گُل ہوا چاہتی ہین۔ یورپ ہی نے یونان و روم کے فلاسفۂ اشراقی۔ اور اپنے مذہبی عابد و مرتاض مقتدائون کی سرد بازاری نہین کی۔ بلکہ اُس کی تقلید مین نئی تعلیم پانے والے نوجوانان اسلام بھی اپنے علمائے باطن اور روحانیات و اخلاق کے باکمالان سلف سے بدعقیدت ہوتے جاتے ہین۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفۂ جدید کی مدد سے انسان چاہے آسمان سے تارے توڑ لائے مگر انسانِ کامل نہین بن سکتا۔ وہ ریل بنا کے ایک مہینہ کا راستہ ایک گھنٹہ مین طے کر سکتا ہے۔ اُڑنے والا جہاز بنا کے ہوا مین اُڑ سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہین کہ روحانیت کے حرم سرا مین باریاب ہو۔

خود فلسفۂ جدید کے بانی اور اُس کے اکثر پیرؤون کا دامن باوجود تمام کمالات صوری کے بداخلاقی اور مختلف جرائم کے مکروہ دھبّون سے ناپاک ہے لیکن اِس [illegible] روحانیت کا ایک قطرہ بھی اگر کسی کے حلق سے اُتر گیا تو وہ انسان سے فرشتہ بن گیا۔

[illegible] ہے کہ یورپ والون نے دو ہی سو برس کے اندر اِس جدید مادی مذاق [illegible] ترقی بھی کی۔ اور اُکتا بھی گئے۔ کیونکہ صدہا علمائے یورپ اب سائنس کو چھوڑ چھوڑ کے روحانیت کی طرف رجوع کرنے لگے ہین۔ اور "پلیٹانزم" "افلاطونیت" دلون مین

کچھ پیدا کرتی جاتی ہے۔ زمانے کی اگر یہی رفتار رہی تو امید کی جاتی ہے کہ مادّیات کے جال میں پھنسنا چند روز بعد پھر عوام اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کا کام رہ جائے گا۔ اور روحانیت و حقیقت کا جویا ہونا اعلیٰ درجے کے شریف النفس لوگوں کا مشغلہ ہوگا۔

اس وقت ہمارے نوجوان بھی جو اُن کی تقلید کو سرمایۂ ناز خیال کرتے ہیں۔ چمنستان باطن کی سیر کرتے ہوئے اپنے قدیم باغ معرفت میں آئیں گے۔ اور نظر آئے گا کہ ہمارے اسلاف میں بھی ابوبکر شبلی کا ایسا عالی پایہ جویائے حقیقت گذرا ہے جس کے سینے کی شمع معرفت سارے عالم کے علمائے روح کی شمعوں کو اسی طرح بے نور کیے دیتی ہے جس طرح آفتاب کی روشنی میں تاروں کا نور غائب ہو جاتا ہے۔ اور وہی زمانہ ہوگا جبکہ شبلی کا سچا مرتبہ معلوم ہوگا۔

والسلام

خاتمۃ الطبع

"سلسلۂ مشاہیر اسلام" کا یہ دوسرا نمبر معزز و محترم اور صاحب ذوق ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کہ آٹھ والیومین۔ ایک حضرت جنید بغدادیؒ کی اور ایک حضرت ابوبکر شبلیؒ کی شائع ہو گئیں۔ جو بہت تنقید و تحقیق اور عرقریزی و جانکاہی سے مرتب کی گئی ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کے سوانح عمری کو اعلیٰ و ادنیٰ طبقہ کے لوگوں نے پسند کیا اور بڑی خوشی کی یہ بات ہے کہ پرانے خیال کے لوگوں نے تو خلعت قبولیت عطا فرمایا ہی نئے خیال والوں اور نئی تعلیم پائے ہوئے نوجوانوں نے بھی قدر کی

ارادہ تھا کہ اب بھی ہم کسی پرانے صوفی صافی مشرب کے حالات کی طرف توجہ کریں مگر جناب شاہ التفات احمد صاحب قبلہ سجادہ نشین درگاہ رودولی شریف کے اصرار اور بہت دیگر حضرات کی تاکید سے ہم نے بجائے صوفیہ کرام کے علما کے طبقہ میں آ کے اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کی لائف مرتب کرنا شروع کر دی ہے۔ واقعی اس لائف کی بے انتہا ضرورت تھی کیونکہ تمام دنیا کے اہل سنت حنفی ہوں یا شافعی یا مالکی ہوں یا حنبلی اصول و عقائد میں سب حضرت ابوالحسن اشعری کے پیرو ہیں۔ اور جیسی خدمت دین اسلام کی ان کے ہاتھوں سے کسی دوسرے سے نہ ہو سکی تھی جب فلسفۂ یونان کا اسلام کے عقائد پر حملہ ہوا۔ تمام محدثین و فقہا سے کچھ جواب نہیں بن پڑتا تھا۔ اور عوام صراط مستقیم سے بھٹکے جاتے تھے اُس وقت ابوالحسن اشعری اُٹھے اور تمام مخالفین کو پامال کر کے ملت بیضا کو سب پر غالب کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ جیسی فتح اسلام کو دیگر ادیان کے مقابلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں تلوار سے حاصل ہوئی تھی۔ ویسی ہی فتح فلسفۂ یونان اور بدعقیدگی کے مقابلہ میں اسلام کو ابوالحسن اشعری کے ہاتھوں قلم سے حاصل ہوئی۔ یہ لائف امید ہے کہ جلد مرتب ہو کے شائع ہو جائے مگر اس کا حجم ہمیں خوف ہے کہ ویسے بھی اس سے بڑھتا نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہم ابھی یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کی قیمت کیا ہوگی۔ تیار ہوتے ہی حسب قاعدہ اجازت ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے تمام خریداران جنید و شبلی کی خدمت میں وی۔ پی بھیجی جائے گی۔

خاکسار۔ منیجر دلگداز۔